مرکز اصلاح النساء سرگودھا کا ترجمان

ماہنامہ
بناتِ اہلسنت
سرگودھا

جلد نمبر 7 | نومبر 2016 | شمارہ 11

مدیر
مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

ماں کا احترام شریعت کی نظر میں

دارالامان سے دارالامان تک

تاریخ اسلام میں ماہ صفر کی حیثیت

صلائے عام ہے یاران "نکتہ چین" کیلئے

ناشر
مرکز اھل السنۃ والجماعۃ
www.ahnafmedia.com

فہرست

صلائے عام ہے یارانِ "نکتہ چیں" کے لیے!!.....5
مولانا محمد کلیم اللہ حنفی
تاریخ اسلام میں ماہ صفر کی حیثیت 11
مولانا محمد امجد خان
مجھ سے نہیں پڑھا جاتا!!.....20
ثنا، لاہور
ہوم ورک.....24
ابن منیب
دارالامان سے دارالامان تک 26
مولانا محمد کلیم اللہ حنفی
میاں بیوی میں جھگڑا.....29
شہزاد احمد
اپنے عمل سے اصلاح کی ضرورت.....37
رانا اعجاز حسین
ماں کا احترام شریعت کی نظر میں 42
مدثر احمد قاسمی
دل کا پردہ ؟؟.....45
نگہت قیوم
جھوٹ کی پھیلتی امر بیل 51
محمد ہاشم
تہمت.....54
منزہ آصف

درسِ قرآن

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ۔

(سورۃ آل عمران آیت نمبر 164)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ انہی میں سے ایک عظیم الشان رسول کو مبعوث فرمایا۔ وہ رسول ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، ان کے نفوس کو پاکیزگی بخشتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس رسول کی تشریف آوری سے پہلے وہ کھلی گمراہی وضلالت میں پھنسے ہوئے تھے۔

تفسیر:

اللہ کریم کا انسانیت پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس ذات نے ان میں سے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو نبی بنا کر ان میں مبعوث فرماتے ہیں۔ پھر اہل ایمان کے لیے تو اور بھی بڑا اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری اور عظیم المرتبت رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں مبعوث فرمایا۔ اور اس رسول کے مقاصد نبوت بیان کرتے ہوئے آگے ارشاد ہے کہ وہ رسول ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے۔ اور ان کو روحانی بیماریوں سے نجات دلا کر ان کے نفوس کو پاکیزگی بخشتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کتاب یعنی قرآن کریم کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ اپنی سنت سے بھی ان کی رہنمائی کرتا ہے جسے قرآن کی زبان میں حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

درسِ حدیث

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاچار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں۔

حیاء۔خوش بو۔نکاح۔مسواک۔(ترمذی شریف)

گویاان سنتوں پر عمل کرناسب نبیوں کی سنتوں کو زندہ کرناہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا ہے کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تومیں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔" (مسلم شریف)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مسواک منہ کو صاف کرتی ہے اوراللہ تعالیٰ کی خوش نودی کا ذریعہ ہے۔" (نسائی شریف)

اس وقت تو سبھی اطباء و حکماء کا مشورہ ہے کہ مسواک منہ کو بالکل صاف کرنے کے ساتھ بدبو وغیرہ سے روکتی ہے۔ہاضمہ کے نظام کو درست کرتی ہے، بلغم، صفرہ وغیرہ کو دور کرتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مسواک کرکے دو رکعتیں پڑھنابغیر مسواک کے 70 رکعتیں پڑھنے سے افضل ہے۔"(رواہ البزار، مجمع الزوائد)

ہمارے پاس پاکٹ کے لیے جگہ ہے، سیل فون کے لیے جگہ ہے، پن کے لیے جگہ ہے، گاڑی کی چابیوں کے لیے جگہ ہے، دستی کے لیے بھی جگہ ہے، اگر نہیں ہے تو ایک بالشت کی مسواک کے لیے جگہ نہیں ہے۔

صلائے عام ہے یارانِ "نکتہ چیں" کے لیے!!

مرکز اصلاح النساء سرگودھا کے انتظامی، تعلیمی اور تربیتی امور کا جائزہ

مولانا محمد کلیم اللہ حنفی

آج حافظ محمد زبیر کا ایک مضمون بعنوان "لڑکیوں کے مدارس میں ہاسٹل کی شرعی حیثیت" نظر سے گزرا، جس میں موصوف نے بنیادی طور پر دو سوال اٹھائے ہیں اور آخر میں اپنی رائے پیش کی ہے۔

پہلے سوال کا لب لباب یہ ہے کہ علماء کرام کالجوں، یونی ورسٹیوں میں مخلوط نظام تعلیم پر سخت موقف رکھتے ہیں، محرم کے بغیر سفر کو حرام بتلاتے ہیں، حجاب اور نقاب میں سخت فتوے دیتے ہیں۔ جبکہ خود ان کے ہاں بنات کے مدارس میں دوسرے شہروں سے آئی ہوئی لڑکیوں کے لیے ہاسٹل موجود ہوتے ہیں۔ ان کے لیے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔؟؟

دوسرے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑکیوں کے مدارس کے ارباب اہتمام و انتظام مرد ہوتے ہیں اگرچہ وہ علماء ہی ہوں لیکن یہی ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔ جب کالجوں اور یونی ورسٹیوں کی مخلوط تعلیم ناجائز اور حرام بنتی ہے تو مدارس کے ہاسٹلز کی جائز کیسے ہو جاتی ہے۔؟؟ اس کے بعد موصوف بطور مشورہ کہتے ہیں کہ کسی شہر میں لڑکیوں کے جو مدارس ہیں ان کا مکمل انتظام و انصرام خواتین کے پاس ہونا چاہیے۔

اس بارے متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن اپنے ایک مضمون بعنوان "تعلیم نسواں" میں رقم طراز ہیں: "اسلام کے نظامِ تعلیم میں عورت کی محض تعلیم ہی نہیں بلکہ اس کے حیاء، تقدس اور عزت و شرافت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ یہ تعلیم تو بہر حال حاصل کرے ہی لیکن اسلام کے مقرر کردہ دائرے کے اندر رہتے ہوئے،

ایسی تعلیم جس سے اس کی دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خواتین کی تعلیم کے سلسلے میں صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے باب عظة الامام النساء وتعلیمھنّ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تعلیم و تربیت سے نوازتے ویسے ہی صحابیات کے درمیان بھی تعلیم و موعظت فرمایا کرتے تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور منہج کو دیکھتے ہوئے شارحین حدیث یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسلام میں خواتین کی تعلیم ضروری ہے لیکن حصولِ تعلیم کے وقت اس بات کا بخوبی جائزہ لینا چاہیے کہ جو امور اسے زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں انہی امور کی تعلیم سے آراستہ کرنا چاہیے۔ یعنی لکھنا پڑھنا، عقائد و اعمال کی اصلاح، تہذیب و شائستگی، وہ علوم جن پر دنیوی و اخروی فلاح و کامیابی منحصر ہے، تربیت اولاد، اطاعت زوج اور حقوق العباد وغیرہ۔ دیگر کتب حدیث میں اس بارے میں بکثرت روایات موجود ہیں معجم کبیر طبرانی میں ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کچھ اس طرح ہے: جو شخص اپنی بیٹی کو خوب اچھی طرح تعلیم دے اس کی اچھی تربیت کرے اور اس پر دل کھول کر خرچ کرے تو (یہ بیٹی کل قیامت کے دن) اس کے لیے جہنم سے نجات کا ذریعہ ہو گی۔ اس حد تک تو اسلام کے نظام تعلیم میں خواتین کے حصول علم کی اجازت اور ضرورت ثابت ہے۔ باقی رہا مغرب کا نظام تعلیم اور خواتین کا مسئلہ !! یہ ایک غور طلب پہلو ہے اور لمحہ فکریہ ہے کہ مغرب لیبل تو خواتین کی تعلیم کا لگاتا ہے لیکن در حقیقت وہ مخلوط نظام تعلیم کے فروغ کے لیے سرگرم ہے۔ مغرب کے نظام تعلیم میں خواتین کو سراسر مشکلات کا سامنا ہے، جس میں عورت کی سب سے اہم امتیازی شان حیاء اور عفت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی عزت سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے، مغرب کے نظام تعلیم میں اصلاح عقائد و اعمال تو رہے ایک طرف اس میں

نہ تو اسلامی کلچر کی کوئی جھلک ہے، نہ ہی انسانی تہذیب و تمدن کے کوئی آثار، امور خانہ داری کا کوئی سبق ہے اور نہ گھریلو نظام زندگی کو بہتر بنانے کا کوئی فارمولہ، تربیت اولاد کے بارے میں کوئی ہدایات ملتی ہیں اور نہ خوشحال ازدواجی زندگی کی کوئی ضمانت۔ اس لیے اسلام کی بیٹیوں کو اسلام کے دامن سے ہی وابستہ رہنا چاہیے تاکہ ان کی دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی۔ (مضامین متکلم اسلام ج2 ص87)

مخلوط نظام تعلیم پر علماء کا سخت رویہ ان کی ذاتی رائے نہیں بلکہ ایک شرعی امر ہے، چونکہ اس طرز سے معاشرے میں بڑے پیمانے پر فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور خاندانی نظام کی چولہیں ہل جاتی ہیں، اس لیے اسلام میں مخلوط معاشرت کی کھلے لفظوں میں حوصلہ شکنی کی گئی ہے، ویسے بھی ہماری مشرقی تہذیب میں اس "آزادی" کو "اغیار کی غلامی" سے تعبیر کیا جاتا ہے، محرم کے بغیر سفر کو حرام بتلانا بھی شریعت اسلامیہ کا مسئلہ ہے، نہ کہ علماء کی فرسودہ خیالی کا عکاس۔ جہاں تک بچیوں کے مدارس کے ہاسٹلز کی بات ہے وہ بالکل اس سے الگ تھلگ ہے۔

اس بارے میں جیسا کہ موصوف نے اپنا مشورہ عنایت فرمایا ہے کہ لڑکیوں کے جو مدارس ہیں ان کا مکمل انتظام و انصرام خواتین کے پاس ہونا چاہیے۔ ہمیں اس سے مکمل اتفاق ہے۔ اور خرابی کی جو بنیادی وجہ موصوف نے اپنے دوسرے سوال میں ذکر کی ہے اس سے بھی ہمیں کوئی اختلاف نہیں۔

چنانچہ حضرت متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ کے پیر و مرشد حکیم شاہ محمد اختر رحمہ اللہ اپنے کتابچے "مدرسۃ البنات سے متعلق ضروری ہدایات" کی ابتداء یہاں سے کرتے ہیں: جو لوگ لڑکیوں کے مدرسے کھولتے ہیں، کوشش کریں کہ دن کو پڑھائی ہو رات کو لڑکیاں گھر چلی جائیں اور اگر دارالاقامہ (قیام گاہ) بنانا ہی ہے تو اس کے اصول یہ ہیں کہ "مہتمم اس کی انتظامیہ اپنی محرم بیوی، والدہ، سگی بہن ،

خالہ یا پھوپھی وغیرہ کے سپرد کرے... مہتمم اپنی محرم کے ذریعے لڑکیوں اور استانیوں کے تعلیمی کوائف حاصل کرے۔"

فرماتے ہیں: "خواتین یا استانیوں کو مہتمم یا اساتذہ کرام براہ راست کوئی ہدایت نہ دیں، نہ بات چیت کریں، نہ پردہ سے نہ فون پر۔ مہتمم کو اپنی بیوی یا خالہ یا بیٹی کے ذریعہ استانیوں کو کوئی ضروری پیغام، ہدایت یا تنخواہ دینے کا اہتمام ضروری ہے، کسی بھی مرد کا استانیوں سے براہ راست ہرگز کوئی بات چیت اور رابطہ نہ ہو۔"

ایک جگہ فرماتے ہیں: "پورے مدرسۃ البنات میں عورتوں کا رابطہ صرف عورتوں سے رہے۔ مہتمم اپنی محرم یعنی بیوی یا والدہ یا بہن وغیرہ سے دریافتِ حالِ تعلیمی یا دریافتِ حالِ انتظامیہ کرے۔ اگر اتنی ہمت نہ ہو تو مدرسۃ البنات مت قائم کرو اور مدرسہ بند کردو۔ دوسروں کے نفع کے لیے خود کو جہنم کی راہ پر مت ڈالو۔"

دینی تہذیب و تمدن اور خواتین کی علمی، فکری، اخلاقی، تربیتی روایات اور تسلسل کو زندہ رکھتے ہوئے حضرت متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ نے بھی مرکز اصلاح النساء کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا۔ جس میں انہوں نے اسلامی تعلیمات کے عین مطابق، اپنے شیخ کے ذکر کردہ اصول وضوابط کو نافذ کیا۔ چنانچہ

مرکز اصلاح النساء کو اس طرز پر ڈیزائن کیا گیا ہے جہاں بچیوں کے لیے مکمل پردے کا بہت اعلیٰ اور مثالی انتظام ہے، جن لوگوں نے مرکز اصلاح النساء کا وزٹ کیا ہے وہ بخوبی اس سے واقف ہیں، تعداد میں خاطر خواہ اضافے کے باعث توسیعی منصوبے کے تحت تعمیراتی کام تیزی سے جاری ہیں۔ یہاں کا مکمل انتظام و انصرام مردوں کی بجائے خواتین ہی کے سپرد ہے۔ مختلف شعبہ جات کے تحت انجام دیے جانے والے دینی و معاشرتی امور کی نگرانی خواتین ہی کرتی ہیں، جس میں کسی بھی مرد بشمول مولانا محمد الیاس گھمن کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ عمل دخل تو بہت دور کی

بات یہاں تو مردوں کا سایہ تک نہیں پڑتا۔ یہاں تک کہ کوئی مرد استاد بشمول مولانا محمد الیاس گھمن ایک حرف تک نہیں پڑھاتے، نہ ہی الگ کمرے میں، نہ ہی پردے کے پیچھے اور نہ ہی لاؤڈ اسپیکر پر۔ یہاں کے احوال سے میں اس لیے بہت اچھی طرح واقف ہوں کہ خود میری اہلیہ یہاں پر تدریس کے مقدس پیشہ سے وابستہ ہے اور میری ایک بیٹی زیر تعلیم ہے۔ شعبہ درس نظامی و دراسات دینیہ کی نگران حضرت کی ایک اہلیہ ہیں جبکہ شعبہ حفظ کی نگران دوسری اہلیہ۔ اسی طرح شعبہ ناظرہ اور شعبہ اسکول کی نگران بھی ایک ایک معلمہ ہیں۔ بچیوں کی تعلیمی پختگی، اخلاقی تربیت کے لیے تمام شعبہ جات کی نگرانوں پر مشتمل ایک مشاورتی کمیٹی موجود ہے، مرکز اہل السنت والجماعت کے بعض اساتذہ کرام کی بیویاں مرکز اصلاح النساء کی معلمات ہیں۔

مرکز اصلاح النساء میں ہر انگریزی مہینے کے پہلے اتوار صبح 9:00 بجے خواتین کے لیے مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ کا اصلاحی بیان ہوتا ہے جس کی ترتیب کچھ یوں ہوتی ہے: مولانا اپنی بیٹھک میں بیٹھتے ہیں، جس کا دروازہ باہر کی جانب کھلتا ہے جہاں احناف میڈیا سروسز کی ٹیم، اکثر اوقات خود راقم اور اہل علاقہ کے دیگر مرد حضرات موجود ہوتے ہیں، چونکہ خواتین کے بیٹھنے کی جگہ یہاں سے اچھی خاصی دور ہے اس لیے وہاں تک بذریعہ لاؤڈ اسپیکر آواز پہنچائی جاتی ہے یہاں پر حضرت کی تینوں بیویاں، بیٹیاں، معلمات، زیر تعلیم بچیاں اور علاقہ بھر کی خواتین موجود ہوتی ہیں، رہائشی بچیوں کے پک اینڈ ڈراپ کے لیے محرم کا آنا ضروری ہے بصورت دیگر بچی کو کسی بھی غیر محرم کے ہمراہ نہیں بھیجا جاتا۔

اسلام کے طریقہ تعلیم، اکابر و مشائخ کی ہدایات اور مضمون نویس کی رائے کے مطابق مرکز اصلاح النساء اپنا تعلیمی سفر طے کر رہا ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اسی مدرسہ کا نام لے کر الزامات لگائے جا رہے ہیں اور جھوٹے پروپیگنڈے عام کیے

جارہے ہیں۔ اور اس ضمن میں مدارس کو بند کرنے کی راہیں ہموار کی جارہی ہیں۔ اگر انہی پروپیگنڈوں کی وجہ سے آج بچیوں کے مدارس کو بند کیا گیا، کل بچوں کے مدارس نشانے پر ہوں گے اور اس کے بعد مساجد کے ائمہ کی طرف چند باتیں منسوب کر کے مساجد کو ویران کرنے کی منصوبہ بندی ہو گی، نتیجتاً دینی تعلیم کو دیوار سے لگا دیا جائے گا۔ تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بڑے وثوق یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ غامدی افکار، لبرل طبقہ اور دین بیزار اسلاف دشمن قوتوں کے منفی پروپیگنڈے دین کو نہیں مٹا سکتے۔

میں اس پلیٹ فارم کے ذریعے ہر شخص کو یہاں آنے کی دعوت دیتا ہوں، وہ اپنی خواتین کے ہمراہ آئیں اپنی آنکھوں سے مرکز اصلاح النساء کا مشاہدہ کریں، آپ کی ہمراہ تشریف لانے والی خواتین ہمارے یہاں کی بچیوں کے تاثرات اور تعلیمی و تربیتی کارگزاری کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اپنے کانوں سے سنیں۔ معلمات سے گفتگو کریں اور آپ ان معلمات کے شوہروں سے ملیں، مکمل صورت حال سے آگاہی حاصل کریں۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ عزت و عفت اور تعلیم و تربیت کے حسین امتزاج کا جو نقشہ آپ کے خیال میں ہے اسے یہاں اس سے بھی بڑھ کر پائیں گے۔ اگر یوں کہوں تو بالکل بجا ہے کہ موصوف اگر اپنی اہلیہ محترمہ یا کسی بھی محرم کے ہمراہ یہاں کا وزٹ کرتے اور اپنی آنکھوں سے اس کے نظام کا مطالعہ کرتے تو وہ یہ بات کہنے پر آمادہ ہی نہیں بلکہ مجبور ہو جاتے کہ مرکز اصلاح النساء جیسا تعلیمی ادارہ دیگر مدارس کے لیے آئیڈیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اے کاش! سوشل میڈیا کے محقق اور دانشور انصاف کے تقاضوں اور تحقیق کے تقدس کو پامال نہ کرتے اور عین الیقین کی حد تک حقیقت حال تک رسائی کرتے!! میں مکرر ان کی خدمت میں یہی کہوں گا کہ آیئے، دیکھیے اور اپنی قلبی تسلی کیجیے! یہ صلائے عام صرف یارانِ "نکتہ داں" کے لیے ہی نہیں بلکہ یارانِ "نکتہ چیں" کے لیے بھی ہے۔

تاریخ اسلام میں ماہ صفر کی حیثیت

مولانا محمد امجد خان

اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ماہ صفر المظفر ہے تاریخ اسلام میں اس مہینے کو ممتاز حیثیت حاصل ہے اس مہینے کی 27 تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی جو غلبہ اسلام اور اسلامی ریاست کے قیام کا باعث بنی اور پوری دنیا میں جو اسلام پھیلا اس کا آغاز بھی مدینہ منورہ سے ہوا۔

گویا پوری دنیا میں جو ظلمت چھائی ہوئی تھی اور ہر طرف خزاں تھی اس کا خاتمہ اسلام کی روشنی اور بہار کے ذریعے مدینہ منورہ سے ہوا۔

پھر اسی ماہ صفر میں 2ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح فرمایا تھا جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل چلی جو قیامت تک رہے گی۔

اسی ماہ صفر میں ایران فتح ہوا اور اسلامی سلطنت کو وسعت ملی اور اسی مہینے میں عمر ثانی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ خلیفہ وقت بنے اور اپنے اڑھائی سالہ دور اقتدار میں عدل عمر رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ فرمادی۔ عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگ آج بھی اس مہینے کو نحوست کا مہینہ تصور کرتے ہیں۔ جبکہ یہ مہینہ اسلامی تاریخ میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے بالخصوص اس مہینہ کے ابتدائی تیرہ دنوں کو نہایت منحوس تصور کیا جاتا ہے حالانکہ اسلام میں اس بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

زمانہ جاہلیت میں اس مہینے کو لوگ منحوس خیال کیا کرتے تھے اور اس مہینے کو بلاؤں اور مصیبتوں کا مہینہ تصور کرتے تھے۔ علامہ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں اس کی وجہ لکھی ہے کہ چونکہ ماہ محرم میں زمانہ جاہلیت میں بھی جنگ و قتال حرام سمجھا جاتا تھا

اور لوگ گھروں میں بیٹھے رہتے تھے لیکن جیسے ہی صفر کے مہینے کا آغاز ہوتا اہل عرب اپنے گھروں کو چھوڑ کر جنگ کے لئے نکل جاتے، جنگ و جدل کی وجہ سے خون خرابہ ہوتا۔ مرد مارے جاتے، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوتے۔ معاشی حالت ابتر ہو جاتی ہے تو اہل عرب بجائے اس کے کہ اپنی اصلاح کرتے اس مہینہ کو منحوس سمجھنے لگے۔

بالخصوص خواتین اسے زیادہ منحوس جانتیں کیونکہ ان کے گھر اجڑ جاتے تھے۔ عرب میں جب اسلام کی روشنی آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باطل نظریات کو رد فرمایا اور واضح طور پر اعلان فرمایا کہ مرض کے متعدی ہونے (یعنی ایک سے دوسرے شخص کو لگنے) صفر کے مہینے کو منحوس سمجھنے اور غول (یعنی بھوت پریت اور بلاؤں کے اترنے) کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ عرب کے اندر جہاں اچھی صفات شجاعت، مہمان نوازی وغیرہ پائی جاتی ہیں وہیں بری صفات بھی ان میں موجود تھیں۔

وہ صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتے، بیمار شخص کی عیادت کرنے کے بجائے اس سے دور بھاگتے۔ سفر سے پہلے تیر پھینکتے تھے اگر تیر دائیں طرف گرتا تو سفر کرتے ورنہ سفر سے اجتناب کرتے۔ سفر پر نکلتے وقت اگر کوئی غریب شخص یا کوئی دشمن سامنے آجاتا تو سفر نہ کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان سب کی نفی فرمائی اور فرمایا ان چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا، نفع و نقصان سب کچھ اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک فال لینے کو پسند فرمایا ہے نیک فال سے مراد بندے کا کسی کام سے پہلے ایسی بات کو سننا جو اس کو اچھی لگے۔ تو یہ اسلام میں درست ہے کیونکہ اس سے تقدیر پر ایمان اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کوئی ایسی چیز دیکھو جو تمہیں ناگوار گزرے تو تم دعا پڑھ لیا کرو۔ اے اللہ! اچھائیاں لانے والے بھی آپ ہی ہیں اور برائیاں دور کرنے والے بھی آپ ہی ہیں۔ نیک کام کرنے کی توفیق بھی آپ ہی دیتے

ہیں اور برے کاموں سے بچانے کی قوت بھی آپ ہی دیتے ہیں۔ (ابو داؤد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایسے موقع پر کام کرنے سے اجتناب کیا اس نے خدا کے ساتھ شرک کیا۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بار لشکر کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوئے ایک شخص نے کہا کہ اس موقع پر سفر نہیں کرنا چاہئے بلکہ فلاں گھڑی میں سفر کرنا چاہئے ورنہ شکست ہوتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ جملہ سنا تو فرمایا لشکر والو ابھی کوچ کرو فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ لشکر نے اسی گھڑی میں کوچ کیا اور کامیاب ہو کر لوٹے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ہم اس کی بات مان لیتے اور اس کے بتائے ہوئے وقت پر سفر کرتے تو یہ شخص کہتا میری وجہ سے فتح ہوئی ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کو اپنا حال جاننے کے لئے ہاتھ دکھایا اس کی چالیس دن کی نمازیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجومی کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے۔

آخری چہار شنبہ (بدھ) کا دن:

ماہ صفر کے آخری بدھ کا بڑے شوق سے اہتمام کیا جاتا ہے کہ اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور صحت یاب ہوئے اس دن روزہ بھی رکھا جاتا ہے اور مخصوص نوافل بھی ادا کئے جاتے ہیں۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اپنی تصنیف ''امداد المفتین'' میں فرماتے ہیں کہ اس دن کا روزہ شرعاً بدعت ہے اور اسلام میں اس کا ثبوت نہیں۔ اس دن کے نوافل بھی پیغمبر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں اضافہ ہوا اور یہودیوں نے اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں شدت آنے پر خوشی منائی۔

صنف نازک کی تعلیم

خالد انور

تعلیم زندگی ہے، اور جہالت موت، تعلیم سے زندگی سنورتی ہے اور جہالت سے امور بگڑتے ہیں، جہاں تعلیم ہے وہاں روشنی ہے، اور جہاں جہالت ہے وہ ایک اندھیر نگری ہے، تعلیم ایک فطری چیز ہے اور جس قوم نے اس فطرت کو قبول کیا وہ ترقی کرتی چلی گئی، اسی لئے کہتے ہیں: قوموں کی ترقی کا پہلا زینہ تعلیم ہے۔

اسلام کی آمد سے قبل سرزمین عرب میں ساری برائیاں پائی جاتی تھیں، وہاں پر بداخلاقی تھی، بداعمالی تھی، شراب نوشی تھی، ظلم وجور تھا، قتل وغارت گری تھی، سماج ومعاشرہ انتہائی پراگندہ ہوچکا تھا، مذہب اسلام نے اس زمانہ کو زمانہ جاہلیت سے تعبیر کیا ہے، اس کا مطلب صاف ہے کہ کہ تمام برائیوں، بے حیائیوں اور ناانصافیوں کا سرچشمہ جہالت ہے اور جہالت کا خاتمہ تعلیم سے ہی ممکن ہے، اسی لئے تعلیم کو مذہب اسلام نے بنیادی سرچشمہ قرار دیا ہے۔

خالق کائنات نے جب حضرت آدم علیٰ نبیناعلیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا کیا، تو سب سے پہلے تعلیم کا بندوبست کیا، انہیں چیزوں کے نام سکھائے، پھر فرشتوں سے مقابلہ کرایا، کامیاب ہوئے تو خلافت سے بہرہ ور کیا، اور مسجود ملائکہ کے شرف سے نوازا، اس کے بعد رہنے، سہنے کا انتظام کیا۔

تعلیم انسان وحیوان میں فرق وامتیاز پیدا کرتی ہے، تعلیم ہی کے ذریعہ انسان انسانیت کے آداب واصول کو سیکھتا ہے، اسے سنوارتا ہے اور سجاتا ہے، تعلیم ہی سے انسان اپنے مقام ومرتبہ کو پہچانتا ہے اور جہاں تعلیم نہ ہو نہ دنیا ہاتھ آتی ہے اور نہ دین۔

دنیاایک تعلیم گاہ ہے ،ایک مدرسہ ہے ،ایک سیکھنے کی جگہ ،تمام انسان طالب علم ہیں،انبیاء کرام خصوصی شاگرد ہیں اور تمام انسانوں کو پیدا کرنے والی ذات ہی معلم ہیں،دنیاکی پیدائش ہی تعلیم کے مقصد سے ہوئی ہے،طالب علموں کی سہولت اور کھانے پینے کیلئے زمین بنائی گئی ،مطالعہ کیلئے روشنی کی ضرورت پڑسکتی تھی تو چاند ،سورج اور ستارے پیدا کئے گئے ہیں ،تعلیم کے بارے میں سب سے پہلا امتحان قبر میں ہو گا،اور فائنل امتحان میدان محشر میں۔

مرد وعورت کی تفریق کئے بغیر تعلیم سب پر ضروری ہے ،سب پڑھیں ، سب بڑھیں یہی مذہب اسلام کا اولین حکم ہے ،اللہ کے رسول سرکار دوعالم ﷺ پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوتی ہے ”پڑھو“اوروحی نبوت کی زبان سے یہ فرمان بھی جاری ہوتاہے:کہ علم کاحاصل کرناہر مسلمان پر فرض ہے“خود خالق کائنات نے ایک جگہ ارشاد فرمایاہے:ان سے پوچھو کیاجاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہوسکتے ہیں۔

مذہب اسلام جس کی بنیاد ہی تعلیم ہے ؛افسوس کی بات ہے کہ اسی مذہب کے ماننے والے تعلیمی اعتبار سے سب سے پیچھے ہیں ، سچر کمیٹی رپورٹ ایک آئینہ کی طرح ہماری حقیقت اور تعلیمی صورتِ حال کو واشگاف کرتی ہے،اور اس شرمندگی کو ہمیں باربار سنناپڑتی ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی شرح سب سے کم ہے اور عورتوں کی تعلیم ہے بھی تو برائے نام ہے اور بس!

ایک رپورٹ کے مطابق 25٪ مسلم بچے اور بچیاں ایسے ہیں جو اسکول گئے ہی نہیں،یاگئے بھی ہیں تو بیچ میں چھوڑدیا،59٪ مسلم لڑکیاں آج بھی اسکول نہیں جاتی ہیں ،پندرہ ریاستوں میں مسلم خواتین کی شرح خواندگی 50٪ سے بھی کم ہے ،مدارس میں 4٪ بچے اور بچیاں ہی تعلیم حاصل کرتی ہیں،یہ صورت حال انتہائی افسوس ناک اور

مایوس کن ہے۔

جب کہ عورتوں کیلئے تعلیم بے حد ضروری ہے ، قوموں کی تعلیم ؛ماں کی تعلیم پر موقوف ہے،ماں تعلیم یافتہ ہوگی تو بچے کو بھی تعلیم سے آشنا کرے گی،اگر ماں کے دلوں میں تعلیمی رغبت موجود ہو تو بچے بھی اس رغبت سے فیضیاب ہونگے،اگر ماں خود رغبت سے خالی ہو تو ظاہر ہے کہ ان کے کوکھ سے پیدا ہونے والے بچوں سے مستقبل کی کیا امید کی جاسکتی ہے؟

ہر کامیاب شخص کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے،وہ بہترین ماں بن کر بہترین کردار ادا کرسکتی ہے تو شریک حیات بن کر اپنے رفیق حیات کی چین وسکون کا باعث بھی بن سکتی ہے،اس کے کئی رنگ وروپ ہوتے ہیں، وہ ماں بھی ہے،بیٹی بھی ہے،بہن بھی ہے،اور بیٹی بھی ہے،اور کسی بھی کردار کے ادا کرنے میں زیور علم سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔

انسانی زندگی کی ابتداء ماں کے بطن سے ہوتی ہے ،ماں کے پیٹ سے پیدا ہوکر دنیا میں آتا ہے،اسی لئے ماں کی گود کو انسان کی پہلی درسگاہ کہا جاتا ہے،اور ظاہر ہے۔

مدرسہ میں تعلیم بہتر اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ معلم اچھے ہوں،اور جس گھر میں مائیں معلمہ ہوتی ہیں،یعنی وہ پڑھی لکھی تعلیم وتربیت سے معمور ہوتی ہیں،ایک دینی وتعلیمی ماحول دیکھنے کو ملتا ہے،اور جہاں پر مائیں تعلیم وتربیت سے عاری،بداخلاق وبدکردار ہوتی ہیں،بچے بھی اس کے اثرات قبول کرتے ہیں۔

ہماری مسلم عورتوں کو اکثر یہ خلجان وشبہ رہتا ہے کہ ترقی اور علم وفضل کا میدان صرف مردوں کیلئے ہے ، عورتیں گھر میں بیٹھنے والی اور کچن روم سنبھالنے کیلئے ہیں،اسے علم سے کیا واسطہ ؟مگر سچائی اور مذہب اسلام کی تعلیمات اس کے بالکل

برعکس ہے۔

ابتدائے اسلام میں پانچ خواتین :ام کلثوم ،عائشہ بنت سعد،مریم بنت مقداد،شفاء بنت عبد اللہ ،عائشہ بنت ابی ابکر،پڑھی لکھی تھیں،اللہ کے رسول ﷺ کی ازواج مطہرات بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی عالمہ تھیں، کتب حدیث میں دوہزار دوسو دس روایتیں ان کی طرف سے ہیں،مردوں میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت انس بن مالکث کے علاوہ کوئی بھی اس تعداد روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آگے نہیں بڑھ سکے،اسی لئے بڑے بڑے صحابہ کرام جب کسی مسئلے میں حل نہیں نکال پاتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کرتے،اللہ کے رسول ﷺ نے تو یہاں تک ارشاد فرمایاہے:کہ وحی کا آدھا علم تمام صحابہ سے اور آدھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سیکھو!

آپ ﷺ کے یہاں عورتوں کو سکھانے کیلئے ہفتہ میں ایک مجلس لگتی تھی، جس میں عورتیں آتی تھیں اور انہیں سکھایا جاتا تھا،حضرت ابوسعید خدری ص راوی ہیں فرماتے ہیں :کہ عورتیں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:یارسول اللہ ﷺ!مرد ہم سے آگے نکل گئے،ہمارے استفادہ کیلئے بھی ایک دن مقرر فرمادیجئے، چنانچہ ان کیلئے بھی ایک دن متعین فرمادیا،اس دن آپ ﷺ انہیں نصیحت فرماتے اور انہیں اللہ کے احکام بتاتے ، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اس سلسلہ میں اہم رول ادا کرتیں۔

آپ ﷺ کی توجہات کا نتیجہ تھا کہ تمام اسلامی علوم وفنون ،تفسیر ، حدیث،فقہ ،فتاوی،خطابت ، شاعری،اور طب وجراحت میں بے شمار صحابیات نے کمال حاصل کیا،عہد نبوی کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں بھی تعلیم پر بھرپور توجہ دی گئی،حضرت عمر بن الخطاب ص نے اپنی مملکت کے تمام اطراف میں یہ فرمان جاری

کر دیا تھا کہ اپنی خواتین کو سورۂ نور ضرور سکھاؤ، اس میں خانگی، معاشرتی، زندگی کے متعلق بے شمار مسائل واحکام موجود ہیں۔

قرآن وسنت کی اتنی تاکید اور نظائر وامثال کے باوجود آج ہم لڑکیوں کی تعلیم کیلئے غافل ہیں، بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی بچیوں کی نوکری نہیں کرانی ہے، ہمیں اپنی بیویوں کی کمائی نہیں کھانی ہے، لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک عورت کو تعلیم دلانا پورے خاندان کو تعلیم دلانا ہے، چونکہ ماں بچوں کی اولین درسگاہ ہے۔

عورتوں کے حقوق اور تعلیم کی آواز آج سب سے زیادہ مغربیت کی طرف سے اٹھتی ہوئی سنائی دے رہی ہے، جو کل تک عورتوں کو کمتر درجہ کی ایک مخلوق سمجھتی تھی، کلیسا کے پارلیامنٹ میں اس بات پر زور دار بحث ہو رہی تھی کہ عورت انسان بھی ہے یا نہیں ہے؟ یورپ میں عورت کی اپنی کوئی مرضی نہ تھی، جانوروں کی طرح وہ بازار میں بیچی اور خریدی جاتی تھی، جدید دور کے یورپ کا مایہ ناز فلسفی نطشے کہتا ہے:

کہ عورتیں دوستی کے قابل نہیں، وہ محض بلیلاں اور زیادہ سے زیادہ گائیں ہیں، ان سے دل بہلانے کیلئے ان کو کوڑا مارنا ضروری ہے۔ عیسائیت میں ایک طبقہ ہے ترتولیاں: ان کا ماننا ہے کہ عورت شیطان کے آنے کا دروازہ، شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والا، خدا کے قانون کو توڑنے والی اور مرد و عورت کو غارت کرنے والی ہے۔

مگر مذہب اسلام آیا، دین رحمت کی بنیاد پڑی، اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ ﷺ نے عورتوں کو وہ مقام ومرتبہ دیا جس کی دنیا پیاسی تھی، ان کے حقوق دیئے، اور صاف طور پر ارشاد فرمادیا: اے لوگو! عورتوں کے بارے میں تم لوگ اللہ سے ڈرو!

عورتیں بھی اپنے حقوق کو پہچانیں، اور رب کائنات نے شوہروں کے بارے میں ان پر جو ذمہ داری عائد کی ہیں اسے پہچانیں، باکردار اور ہمدرد ماں، صالح ونیک

بیٹی، وفاشعار بہن، اور فرمابردار بیوی بن کر زندگی گذاریں، اس کیلئے مذہب اسلام نے تعلیم کو عورتوں کیلئے ضروری قرار دیا۔

مگر تعلیم کا مطلب یہ نہیں کہ عورتیں شترِ بے مہار کی آزادی کی دہائی دینے لگیں، پردہ، برقع اور دوپٹہ کی قید سے آزاد ہو جائیں، بن سنور کر عریاں انداز میں اس طرح گھومیں، پھریں اور پڑھنے، پڑھانے کیلئے جائیں گویا ابھی کوئی دلہن بیوٹی پارلر سے آرہی ہو۔

عورتیں معاشرے کا نصف حصہ ہیں، ظاہر ہے کہ ان کی تعلیم کے بغیر قوم اور معاشرے کی ترقی ناگزیر ہے، وہ دنیاوی اور دینی دونوں علوم سے مزین اور آراستہ ہوں، آج سماج و معاشرہ کو اچھے، ہمدرد اور خواتین ڈاکٹرز کی بھی شدید ضرورت ہے ،اس میں بہترین رول ادا کریں۔

مگر ذمہ دار حضرات کی طرف سے تربیت کا عمدہ نظام قائم کیا جائے، حقوق اللہ اور حقوق العباد، نیکی، بدی میں فرق، سچائی، صفائی، وقت کی پابندی، محبت اور ایثار و ہمدردی کا سبق پڑھایا جائے تاکہ وہ صاف، ستھری اور اسلامی طریقے کے مطابق پاکیزہ زندگی بسر کر سکیں!

مگر جو مخلوط نظام تعلیم ہے، جہاں پر لڑکے اور لڑکیوں کے اختلاط کو برائی نہیں سمجھی جاتی، ظاہر ہے ان اداروں سے فارغ ہونے والی لڑکیوں سے خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔

ہمارے قارئین اور والدین ایسے اداروں میں ایڈمیشن دلانے سے قبل بنیادی باتوں پر ضرور غور کرلیں، اور یہ سوچیں کے تعلیم کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، جس تعلیم سے اللہ کی رضا کا حصول ممکن نہ ہو، اللہ اور اس کے رسول کے پیغامات وارشادات پر عمل کرنا ممکن نہ ہو وہ تعلیم یقیناز ہر ہلاہل ہے۔

مجھ سے نہیں پڑھا جاتا!!

ثنا،لاہور

یہ وہ جملہ ہے جو کہ جو بچہ ہی کبھی نہ کبھی اور اب تو اکثر ہی کہتا سنائی دیتا ہے۔ جو ایسا جملہ نہیں کہتا وہ یقینی طور پر پھر سکول جانے کی عمر گزار چکا ہے۔ کہنے کو تو یہ جملہ بظاہر ایک جملہ ہے مگر اسکے بعد لاتعداد لعن طعن اور پریشانی سے عبارت جملے شروع ہو جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس آرٹیکل کو پڑھ کر آپ کو اس مسئلے کو حل کرنا آسان لگے گا-ہر عمر کے بچوں کے ساتھ یہی ٹوٹکے کام آسکتے ہیں ضروری نہیں کہ بہت چھوٹے بچوں یا بہت بڑے بچوں کے لئے ہی ان پر عمل کریں۔ ہر عر کے بچوں کے لئے کر سکتے ہیں۔

Quick fix:

مسئلہ کوئی بھی ہو اس کو آپ ایک دم سے توڑ مروڑ اور پھر جوڑ نہیں سکتے۔ اگر ہم لاہور ہی میں بننے والے بہت سے جدید پلازوں کو لیں تو انکی تعمیر میں سالہاسال کی جدوجہد نظر آئے گی۔ایک دم یہی معاملہ انسانوں کے مسائل کے ساتھ بھی ہے۔ بنتے بھی سالوں میں ہیں اور بگڑتے بھی وقت لگا کر ہی ہیں۔اسی لئے بچہ ایک دن میں ساری تکنیکس لگا کر فٹافٹ بیبا بن جائیگا اس کی توقع ہر گز نہ کریں۔مشوروں پر عمل کریں اور وقت کے ساتھ ساتھ نتائج اپنی مرضی کے بنتے دیکھیں۔

Believe Systems:

انسان چاہے کسی پل سے خودکشی کر رہا ہو یا ماؤنٹ ایرسٹ کو سر کر رہا ہو۔ اسکے پیچھے کارفرما خیالات ہی اسکو تحریک دینے کا سبب بنتے ہیں۔ بچپن سے ہی یہ خیال

ذہن میں بیٹھ گیا کہ دوسروں کے لئے کچھ کرنا ہی اصل خدمت انسانی ہے۔اسی لئے بچے کے سامنے سکول کے بارے میں یا ٹیچرز کے بارے میں منفی کبھی بھی نہ بولیں انکے سامنے ہمیشہ یہ بتائیں کہ سکول جانا اور پڑھنا مزے کا آسان کام ہے۔اچھے بچے سکول خوشی سے جاتے ہیں۔ اچھے بچے پڑھائی سے لطف لیتے ہیں۔کتابوں کو پڑھنا اور انجوائے کرنا آسان ہے۔ اچھے خیالات جس حوالے سے دماغ میں ڈالیں گے پھر ہی بتدریج وہ اعمال میں بھی نظر آئیں گے۔

Environment :

جس طرح ایکو فرینڈلی کیا جاتا ہے کہ موسم کے لئے فضا کے لئے فلاں فریج اور اے سی بہترین رہے گا۔ جس طرح شاپنگ بیگز کو ایکو فرینڈلی بنانے کی کوشش کی جارہی ہے اسی طرح گھر کے ماحول کو بھی پڑھائی کے لئے اچھا بنانے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔اگر آپ یہ چاہیں کہ بچہ پڑھنے بیٹھ جائے اور خود آپ کمرے سے نکل کر گھر کے دوسرے فریق سے لڑنا شروع ہو جائیں تو دیہان لڑائی میں اٹکے گا پڑھائی میں نہیں۔جس طرح سب نماز پڑھ رہے ہوں تو نماز چھوڑنے کا سوچتے سوچتے بھی سست انسان دیکھا دیکھی نماز پڑھ لیتا ہے۔خود بچے کے پاس اخبار لے کر بیٹھ جائیں نہیں تو آفس کا یا کوئی بھی متعلقہ پیپر ورک ساتھ لے لیں۔ اگر والدہ کے پاس کوئی کام ہو جو بچے کے ساتھ بیٹھ کر سکون سے کرنا ممکن ہو کر لیں۔ مگر بچے کے سامنے ایک ماحول پیش کیا جائے کہ یہ وقت سکون سے پڑھنے کے لئے موزوں ہے جبکہ یقین ہے کہ پڑھنا اچھی بات ہے تو اب ماحول بھی ساز گار ہے سو پھڑھ لے۔

Focus :

انسان کی توجہ نیوز چینلز پر قتل وغارت کے پروگرامز پر مرکوز کروانا بے حد

آسان ہے جبکہ مذہبی پروگرامز کو دیکھتے ہوئے نیند کا غلبہ فوری طور پر آجانا بے حد عام سی بات ہے۔ انسان کی توجہ یا ارتکاز اس وقت تو خاص طور پر بہت کم ہو جاتا ہے جبکہ وہ اس کام میں مشغول ہو جو اسکو کرنا مشکل لگتا ہو۔ انسان کی توجہ کا وقت بھی بے حد کم ہوتا ہے۔ انسان کی توجہ بیس منٹ کے بعد تو خاص طور پر دائیں بائیں اور ہمسائے میں مرکوز ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پڑھتے ہوئے سامنے پڑی کتاب کے علاوہ ہر چیز اہم لگتی ہے۔ سو کتاب پر توجہ برقرار رکھنے کے لئے اگر آپکا بچہ ہر پندرہ منٹ بعد پانی پینے جانا چاہے یا کوئی بات کرنا چاہے تو کوسنے کی بجائے اجازت دیں۔ اس سے توجہ مرکوز رکھنے میں بھی بے حد مدد ملے گی۔

خود بھی بچے کی پڑھائی کے دوران ٹی وی یا موبائل نہ استعمال کریں اس سے بچے کی توجہ آپکی سرگرمی کی طرف ہی رہتی ہے۔

Role Model:

آپ نے نوٹ کیا ہو گا ہم سیاسیات میں جو الفاظ اور طرز تخاطب سن رہے ہوتے ہیں ہمیں وہی الفاظ سوشل میڈیا پر بھی اکثر بہت سے لوگ استعمال کرتے نظر آئیں گے۔ الفاظ کا ٹرینڈ بہت جلدی میڈیا کی وجہ سے ایک سے دوسرے تک پہنچ جاتا ہے۔ ہر جماعت کا حامی اپنے لیڈر والے الفاظ استعمال کرتا دکھائی دیتا بھی ہے۔

آپ خود جیسا بن کر دکھا رہے ہوں گے بچہ لاشعوری طور پر ویسا ہی بن جاتا ہے۔ اسی لئے اگر اب بچہ یہ دیکھ رہا ہو کہ آپ کتابوں کو پٹخ پٹخ کر سکول کی فیسوں کو مسئلہ کہہ کہہ کر اولاد کے سامنے دوہراتے رہیں اور پھر اولاد سے یہ امید بھی رکھیں کہ وہ تعلیم سے محبت کرے تو یہ ناممکن ہے۔

سو خود کو اولاد کے سامنے ایسا بنانا سیکھیں کہ اولاد کو یقین ہو کہ وہ ایک تعلیم

دوست انسان کو بچہ ہے سو تعلیم سے محبت کرنا اسکی اپنی ذمہ داری بھی ہے۔

Communication:

خاص طور پر پڑھاتے وقت بچے کے ساتھ صبر و تحمل کا دامن تھام کر رکھیں۔ چھوٹے چھوٹے کاموں کو کرنے پر بھی شاباش دیں۔ تھوڑی بہت حقیقت پر مبنی تعریف ضرور کریں۔ لہجہ دھیما یا درمیانہ رکھیں۔ لفظ نہ کی بجائے۔ مکمل جملہ جیسا کہ پڑھتے وقت کتاب پر دھیان دو دوسری چیزیں ہاتھ سے چھوڑ دو۔ بولیں۔ مارنے سے ہر صورت پرہیز کریں۔ مار صرف اس وقت ہی نہیں بعد میں بھی متاثر کرتی ہے۔ خود برداشت نہ کر سکیں ٹیوشن سینٹر ڈال دیں۔

Interest:

فیس بک پر ہر ایک کو اپنی ٹائم لائن سب سے دلچسپ لگتی ہے۔ اپنی جو ہوتی ہے اپنی مرضی کی چیزیں جو رکھتے ہیں۔ بچے کو مضمون اسکی دلچسپی کے مطابق پڑھنے دیں۔ اگر اس عمر کے بچوں کی بات کی جائے۔ جس میں مضامین کا انتخاب کرنا ہوتا ہے تو بچہ اگر کسی میں اپنی دلچسپی دکھا دے تو اسے وہی منتخب کرنے دیں۔ مجبور نہ کریں۔

Expectations:

آج کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے توقعات چاہے سیاستدانوں سے ہوں، بجلی گیس یا پانی والوں سے ہوں یا ماں باپ سے یا ماں باپ کی بچوں سے۔

اپنے بچوں سے ہمیشہ ٹاپ کی توقع نہ رکھیں ورنہ جو صلاحیت اور ذہانت اللہ نے دی ہو گی اسکو آپ نمبروں کی ریس میں زنگ لگا دیں گے۔

سو حوصلہ رکھیں اور اپنی ان پر کی جانے والی محنت بڑھا دیں اور ان سے لگائے جانے والی توقع گھٹا دیں۔

ہوم ورک

ابن منیب

پیارے اللہ میاں!

میں بالکل خیریت سے ہوں، اور بہت خوش ہوں۔ آج اسکول میں مِس نے کام دیا کہ اپنے کسی پیارے کو خط لکھیں اور اپنے دن کا احوال بتائیں۔ میں نے مِس سے پوچھا "احوال" کیا ہوتا ہے؟۔

بیٹا! یہ کتنے کا ہے مرنڈا؟

پانچ روپے کا ایک۔

دو دے دو۔

میں نے مِس سے پوچھا "احوال" کیا ہوتا ہے۔ مِس ہنس پڑیں۔ آپ نے یہ لکھنا ہے کہ آپ کا دن کیسا گزرا۔؟ پیارے اللہ میاں، میرا دن بہت ہی اچھا گزرا۔ میں نے صبح اُٹھ کر فجر کی نماز پڑھی۔

پھر چائے پی اور ابو کے ساتھ ریڑھی نکالی۔

پھر ہم منڈی گئے اور ریڑھی بھر کر سبزیاں لے آئے۔ گھر آ کر میں نے یونیفارم پہنا۔

امی نے مجھے دورس دیے اور کہا جلدی جاؤ پھر دیر نہ ہو جائے۔

میرا اسکول دُور ہے۔ آدھا گھنٹہ چلنا پڑتا ہے۔ امی کہتی ہے تیرا شکر ادا کروں کہ اسکول والوں نے مجھے جگہ دے دی۔

اُنہوں نے میری فِیس بھی آدھی رکھی ہے۔ امی کہتی ہیں نیک لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں اور تُو سب کو دیکھتا ہے کون لالچ کرتا ہے اور کون شکر؟

امی تو ہر وقت تیرا شکر کرتی ہے۔ تُو پیار سے دیکھتا ہے نا اُسے؟ میرے نئے یونیفارم اور کتابوں کے لئے امی نے اپنی دوسری بالی بھی۔۔۔

اوئے کیا لکھ رہا ہے؟ ہم فُٹ بال کھیلنے لگے ہیں دوسری گلی میں۔ آجا۔

نہیں۔ تم کھیلو۔ پچھلی بار اِتنے سارے مرنڈے چوری ہو گئے تھے۔ امی بہت خفا ہوئی تھی۔

امی نے اپنی دوسری بالی بھی بیچ دی ہے۔

کہہ رہی تھی اکیلی بالی میرے کس کام کی۔

نانی اماں نے دی تھیں امی کو۔ شاید اِس لئے پہلی بالی بیچتے ہوئے رو پڑی تھی۔ لیکن آج بہت خوش تھی۔ میں نے اپنا ٹیسٹ رزلٹ لا کر دکھایا۔ امی کو پڑھنا نہیں آتا۔

میں نے خود سُنایا "دس بٹا دس، شاباش"۔

امی سُن کر رو پڑی اور مجھے بہت زیادہ پیار کیا۔

پھر ابو بھی ریڑھی لے کر گھر آ گئے۔ ہم نے اکٹھے کھانا کھایا اور ابو دوبارہ سبزیاں بیچنے چلے گئے۔

امی نے میرا مرنڈوں کا ڈبہ مجھے دیا اور میں اِدھر بازار کے کنارے اِسے لگا کر بیٹھ گیا۔

اور اب یہ ہوم ورک کر رہا ہوں۔ بس یہ تھا میرے دن کا احوال۔ اب میں دوسرے ہوم ورک کروں گا اور پھر شام کو گھر چلا جاؤں گا۔

(اور ہاں، ایک بات نہیں لکھی، پر تُو تو جانتا ہی ہے، آج پھر میں نے اپنا ایک رس دو روپے کا بیچ دیا۔ اب سو روپے ہو گئے ہیں میرے پاس۔ پتا نہیں دو بالیاں کتنے کی آئیں گی۔ تُو مدد کرے گا نا میری؟)

دارالامان سے دارالامان تک

بچوں کا گھروں سے بھاگنا اور اس کا ممکنہ حل

مولانا محمد کلیم اللہ حنفی

گھر پورے خاندان کے لیے امن و امان کی قرار گاہ ہوتا ہے۔ اس مضبوط قلعے میں بسنے والوں کی آبرو، عزتِ نفس، مال اور جان سب کچھ محفوظ ہوتی ہے۔ ایک چھت کے نیچے غم اور خوشیاں سانجھی ہوتی ہیں، اس آنگن میں نسلیں پروان چڑھتی ہیں۔ یہ نعمت قابل صد شکر ہے۔

لیکن..... آج ہمارے معاشرے میں نوجوان بچے اور بچیاں اپنے اس گھر کو خیر باد کیوں کر دیتی ہیں؟ یہ سوال جتنا اہم ہے اس کا جواب اتنا ہی تلخ ہے۔ عموماً اس کی وجوہات گھریلو معاشی مشکلات، تنگدستی، بھوک و افلاس، فقر وفاقہ، باہمی لڑائی جھگڑے، بلاوجہ مار پیٹ اور بات بات پر ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ بیان کی جاتی ہیں جو بچوں کو گھروں سے نکلنے پر مجبور کرتی ہیں۔ مجھے ان وجوہات سے کوئی اختلاف نہیں۔

اس مسئلے کا حل محض وجوہات بتلانا نہیں بلکہ وجوہات کے پیدا ہونے کی وجہ کو حل کرنا ہے۔ جس کے لیے ہمارا معاشرہ تاحال تیار نہیں اور حالات کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے کہ دور دور تک اس کا امکان بھی نہیں۔ لیکن خدائی اصول "نصیحت کرو کیونکہ نصیحت فائدہ دیتی ہے" کے مطابق اپنے معلومات، مشاہدات اور تجربات کی حد تک چند بنیادی باتیں کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے گھروں کا از سر نو جائزہ لینے کی ضرورت ہے، کہ ہم اپنے بچوں کو کیسا گھریلو ماحول دے رہے ہیں؟ کیا اس ماحول میں بچوں کی تعلیم و تربیت صحیح خطوط پر ہو رہی ہے؟ لیکن اس سے بھی پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم تعلیم و تربیت کے صحیح خطوط کسے سمجھتے ہیں؟ ہر شخص اپنی

ذہنی اختراع کو تعلیم وتربیت کا معیار سمجھنے کے بجائے معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ تعلیم اور مربی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکر کردہ تربیت کو ہی معیار بنائے۔ پھر اسی کے مطابق گھریلو نظام کی بنیادیں رکھے۔

بچوں کی تربیت کے دو پہلو ہیں، جسمانی اور اخلاقی۔ جسمانی طور پر اسے تندرست رکھنے کے لیے اچھی اور مناسب خوراک کا بندوبست کیا جائے تاکہ ایسے بچوں کی بدولت صحتمند معاشرہ تشکیل پاسکے جبکہ اخلاقی، روحانی اور علمی تربیت کے لیے عمدہ تعلیم، اچھے معلم، اچھی تعلیم گاہیں اور اچھا ماحول دیا جائے تاکہ ان کی بدولت صالح افراد کا مقدس معاشرہ تشکیل پاسکے۔

پیدائش کے بعد اسلامی تعلیمات کے مطابق سارے امور انجام دیں مثلاً گھٹی دینا، نومولود کے کان میں آذان واقامت کہنا، ان کا اچھا نام رکھنا، عقیقہ کرنا، سر کے بال مونڈنا اور بالوں کی مقدار کے برابر چاندی / یا اس کی رقم صدقہ کرنا، ختنہ کرنا۔ جب بولنا شروع ہو تو اسے کلمہ طیبہ اور اللہ کے مبارک نام یاد کرانا، قرآن کریم کی تعلیم دینا، نماز قائم کرنے کی عادت ڈالنا، سچ بولنے کا خوگر بنانا، بڑوں کا ادب سکھانا، طہارت وغسل کا طریقہ سمجھانا، مسنون اعمال کا پابند بنانا، رات کو جلد سونے اور صبح کو جلد اٹھنے کا عادی بنانا، عقائد اسلامیہ اور روزمرہ کے پیش آمدہ ضروری مسائل کی تعلیم دلوانا، کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق قائم کرانا، ان میں دنیا و آخرت بہتر بنانے کی فکر پیدا کرنا، ان کی غیر مناسب حرکات اور غلطیوں کی پیار و محبت اور بقدر ضرورت باز پرس سے اصلاح کرنا، غیر اخلاقی باتوں اور کاموں سے روکنا اور معاشرتی جرائم ماحول سے انتہائی نگہداشت رکھنا، غلط سوسائٹی، دوستی اور تعلقات سے دور رکھنا، تمام ایسے ذرائع و آلات سے دور رکھنا جن سے بچوں میں غیر شعوری طور پر فکری و تہذیبی فساد پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً فحش ویب سائٹس، ٹی وی چینلز، گانے باجے، سوشل میڈیا کا غلط

استعمال۔ ان کے لیے معیاری عصری تعلیم گاہوں کا انتخاب کرنا، بالخصوص انہیں مخلوط نظام تعلیم سے دور رکھنا، بچوں کے ہوم ورک کی نگرانی کرنا، ہر کام کو سلیقہ مندی سے کرنے کا عادی بنانا۔ اچھے کاموں پر خوب حوصلہ افزائی جبکہ غلط کاموں پر مناسب انداز میں احساس ندامت دلانا۔ ان کی جسمانی صحت کا بھرپور خیال رکھنا، ورزش، کھیل کود کے لیے انہیں وقت دینا، خوراک معیاری دینا اگرچہ سادہ ہی ہو، بازاری مضر صحت اشیاء سے پرہیز کرانا۔ وغیرہ الغرض ان کو بھرپور پیار دینا اور ان کی تمام ضروریات کو پورا کرنا اولاد کی تربیت کہلاتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ کہ بلوغ کے بعد بچے اور بچی کی رضامندگی معلوم کر کے مناسب رشتے مل جانے پر جلد ہی نکاح کر دینا۔

اگر بطور والدین یا سرپرست ہونے کے آپ بچوں کی پسند کو کسی وجہ سے درست نہیں دیکھ رہے تو انہیں اعتماد میں لے کر قائل کرنے کی کوشش کریں ورنہ بچوں اور بچیوں میں بغاوت کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے جس کے باعث وہ اپنے ہی پیارے گھر اور گھر والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کرتے ہیں اور نتیجتاً اپنے اس مسکن کو خیر باد کہہ دیتا ہے جس میں اس کی بچپن کی بہاریں گرزی اور لڑکپن وجوانی کا شباب اٹکھیلیاں کرتا رہا تھا۔

یہ دیکھنا ہو گا کہ ہم اپنے بچوں کی تربیت کیسی کر رہے ہیں؟ اگر تربیت اچھی کر رہے ہیں تو یہی اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اگر ہم تربیت میں غفلت برت رہے ہیں یا انہیں وقت نہیں دے پا رہے تو ہماری یہ نسل بگڑ جائے گی۔ پھر انہیں نافرمان ہونے کے طعنے دینا اپنی غلطیوں کو پردہ ڈالنے کے مترادف ہو گا۔

جس پر باضمیر لوگوں کا ضمیر ملامت کیے بغیر نہیں رہے گا۔ اس لیے بچوں کو سدھارنے سے پہلے خود کو سدھاریں۔ اپنے گھروں کو "دارالامان" بنائیے تاکہ آپ کی اولاد کو گھروں سے نکل کر کسی اور "دارالامان" کو تلاش نہ کرنا پڑے۔

میاں بیوی میں جھگڑا

شہزاد احمد

دین سے دوری کے سبب میاں بیوی کے درمیان دوستی کی بجائے دشمنی پنپتی جارہی ہے۔ جمن، شبراتی کو تو جانے دیجئے، اچھے خاصے 'دین دار' سمجھے جانے والے میاں بیوی بھی آپسی ناچاقیوں میں مبتلا ہیں۔ جبکہ اللہ نے تمھارے لئے تمہاری ہی جنس میں سے جوڑے بنائے اور پھر اس میں تمہارے لئے آپس میں محبت و رحمت رکھ دی۔ ابن ماجہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ محبت کا جوڑ لگانے والی چیزوں میں سے نکاح کا جوڑ سب سے زیادہ مضبوط اور پائیدار ہے۔

ارشادات اکابر کے صفحہ 29 پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو صاف فرماتے ہیں کہ مردوں کو یہ آیت تو یاد رہتی ہے کہ

'مرد عورتوں پر حکمران اور حاکم ہیں'

اب بیٹھ کر عورتوں پر حکم چلا رہے ہیں اور ذہن میں یہ بات ہے کہ عورت کو ہر حال میں نوکر اور تابع فرمان ہونا چاہئے اور ہمارا ان کے ساتھ آقا اور نوکر جیسا رشتہ ہے، معاذاللہ... لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور بھی آیت نازل فرمائی ہے وہ آیت مردوں کو یاد نہیں رہتی... اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:

'اس نے تمہارے لئے تمہارے جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم دونوں میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔'

(سورہ روم 21)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیشک مرد عورت کیلئے انتظامی طور پر تو قوام (حاکم) ہے لیکن باہمی تعلق دوستی جیسا ہے، لہٰذا ایسا تعلق نہیں جیسا آقا اور کنیز

کے درمیان ہوتا ہے...اس کی مثال ایسے ہے جیسے دو دوست کہیں سفر پر جارہے ہوں اور ایک دوست نے دوسرے دوست کو امیر بنالیا ہو...اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ امیر اس دوست پر حاکم بن جائے۔۔شوہر اس لحاظ سے تو امیر ہے کہ ساری زندگی کا فیصلہ کرنے کا وہ ذمہ دار ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کیساتھ نوکروں جیسا معاملہ کرے...بلکہ اس دوستی کے تعلق کے کچھ آداب اور تقاضے ہیں۔

کسے کہتے ہیں امیر؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں امیر کا تصور کیا ہے؟اسے سمجھنے کیلئے اصلاحی خطبات، جلد دوم کے صفحہ 80 سے رجوع کرنا ہوگا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم دیوبند سے کسی دوسری جگہ سفر پر جانے لگے تو ہمارے استاد حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند میں 'شیخ الادب' کے نام سے مشہور تھے وہ بھی ہمارے ساتھ سفر میں تھے، جب ہم اسٹیشن پر پہنچے تو گاڑی کے آنے میں دیر تھی، مولانا اعزاز علی صاحب (رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم کہیں سفر پر جاؤ تو کسی کو اپنا امیر بنالو، لہذا ہمیں بھی اپنا امیر بنالینا چاہئے، مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ ہم شاگرد تھے وہ استاد تھے اس لئے ہم نے کہا کہ امیر بنانے کی کیا ضرورت ہے، امیر تو بنے بنائے موجود ہیں،

حضرت مولانا نے پوچھا کہ کون؟

ہم نے کہا کہ امیر آپ ہیں، اس لئے کہ آپ استاد ہیں، ہم شاگرد ہیں،

حضرت مولانا نے کہا...اچھا آپ لوگ مجھے امیر بنانا چاہتے ہیں،

ہم نے کہا کہ جی ہاں، آپ کے سوا اور کون امیر بن سکتا ہے؟

مولانا نے فرمایا کہ اچھا ٹھیک ہے لیکن امیر کا ہر حکم ماننا ہو گا، اس لئے کہ امیر کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حکم کی اطاعت کی جائے۔

ہم نے کہا جب امیر بنایا ہے تو ان شاء اللہ ہر حکم کی اطاعت بھی کریں گے، مولانا نے فرمایا کہ ٹھیک ہے میں امیر ہوں اور میرا حکم ماننا۔

جب گاڑی آئی تو حضرت مولانا نے تمام ساتھیوں کا کچھ سامان سر پر اور کچھ ہاتھ میں اٹھایا اور چلنا شروع کر دیا۔

ہم نے کہا کہ حضرت یہ کیا غضب کر رہے ہیں؟ ہمیں اٹھانے دیجئے، مولانا نے فرمایا کہ نہیں، جب امیر بنایا ہے تو اب حکم ماننا ہو گا اور یہ سامان مجھے اٹھانے دیں، چنانچہ وہ سارا سامان اٹھا کر گاڑی میں رکھا اور پھر پورے سفر میں جہاں کہیں مشقت کا کام آتا تو وہ کام خود کرتے اور جب ہم کچھ کہتے تو فوراً مولانا فرماتے کہ دیکھو تم نے مجھے امیر بنایا ہے اور امیر کا حکم ماننا ہو گا، لہذا میرا حکم مانو، ان کو امیر بنانا ہمارے لئے قیامت ہو گیا، حقیقت میں امیر کا تصور یہ ہے۔

حسین ترین رشتہ:

گویا کہ بندہ اور رب کے بعد سب سے پہلا اور خوبصوت رشتہ میاں بیوی کا بنایا گیا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو جب تنہائی محسوس ہوئی تو ان کے سکون و تسکین کیلئے اللہ نے حضرت اماں حوا کو انہی کی پسلی سے تخلیق کیا، یہ وہ خوبصورت رشتہ ہے جس پر شیطان کی سب سے بھیانک نظر ہوتی ہے کہ اس میں پھوٹ ڈلوا کر وہ نسل آدم کو گمراہ کر سکے۔

ایک دوسرے کا لباس:

میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ لباس کیا ہوتا ہے؟ جو ڈھانپتا

ہے، ستر پوشی کرتا ہے، کوئی انسان کامل نہیں ہوتا، اللہ انسان کے شریک حیات کو نہایت حکمت سے منتخب کرتا ہے، کوئی کہاں سے آکر کیسے آپ کی پوری زندگی کا ساتھ بن جاتا ہے... آپ نے سوچا بھی نہیں۔ شادی کر کے زندگی میں یونہی سکون میں نہیں آجاتا بلکہ زندگی کو پر سکون بنایا جاتا ہے۔

زندگی کسی بھی سطح پر ہو اس کو صبر شکر و حمد آسان کرتی ہے، تکلیف دہ باتوں کو درگزر کر کے، اس پر محبت و تحمل سے برداشت کر کے اپنی پہلے اور پھر ضرورت پڑنے ہر دوسرے کی محبت بھری اصلاح کر کے زندگی کو آسان بنایا جاتا ہے۔ شادی شدہ زندگی میں شکر گزاری کی بہت اہمیت ہے۔

شکر گزاری کی ضرورت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ واقعہ روشن مثال ہے۔ کہتے ہیں کہ جب وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی غیر موجودگی میں ان کی بیگم سے پہلی بار ملنے گئے اور ان کے ناشکری کے کلمات سنے تو انھوں نے اپنی بہو کو ایک 'اجنبی بزرگ' کے طور پر مشورہ دیا کہ تمہارا خاوند آئے تو اسے کہنا کہ چوکھٹ بدل لے! وہ تو اپنی کم فہمی میں سمجھی بھی نہیں، شوہر کے آنے پر بتایا تو انہوں نے اسے طلاق دے دی اور دوبارہ شادی کی۔

کچھ عرصہ بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر تشریف لائے تو ان کے بیٹے گھر پر نہیں تھے، اب کے نئی بہو سے سلام دعا ہوئی تو شکر گزاری کے کلمات سنے، اس پر جاتے ہوے دعا دی اور کہا کہ اپنے شوہر سے کہنا کہ اس چوکھٹ کو سلامت رکھے۔ بیوی نے ایسے ہی کلمات شوہر سے عرض کر دئے۔ انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور الحمدللہ کہا، اپنے بابا جان کی دعا کی برکت سے بہت نعمتیں پائیں۔ درحقیقت عورت کا

احساسِ شکر گزاری اور مرد کا ظرف کسی بھی گھر کو جنت یا دوزخ بنا سکتا ہے۔

جہنم میں جانے کا سبب:

شکر اللہ اور اللہ کے فیصلوں سے نباہ کا صرف لفظی نہیں عملی اظہار بھی ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا کہ انہوں نے سب سے زیادہ عورتوں کو جہنم میں دیکھا کہ وہ اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں! آج کل بیویاں جانے، انجانے میں اپنی خواہش وہوس کے ہاتھوں ناشکری کرتی ہیں، اپنی بیوی یا شوہر کو دوسروں کی بیوی یا شوہر سے موازنہ کرنا تو اتنا عام ہو چکا ہے کہ اسے اب کوئی عار نہیں سمجھا جاتا، موازنہ کرنے والے کیساتھ مسئلہ ہوتا ہے بدلنے کا... فلاں شخص کے معیار پر پورا نہیں اتر سکے، یا فلاں شخص فلاں کی طرح کیوں نہیں ہے، ہر وہ شخص جو پرفیکشنزم کا حامل ہے اس کو اتنی ہی ذہنی اصلاح کی ضرورت ہے جتنی کے اس کو، جو دوسرے کے معیار پر پورا اترنے کیلئے اذیت میں ہے۔

تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی :

اپنی شخصیت میں اللہ کیلئے نکھار پیدا کریں اپنی ذینت اپنے شوہر یا بیوی کیلئے درست کریں۔ پر سکون ذہن تب ہی میسر آتا ہے جب اتباع نفس نہیں بلکہ اتباع شریعت ہو، کوئی کسی ذہنی یا روحانی مسئلے میں الجھا ہوا ہے اس کا فرق اس کے ذہنی سکون سے اندازہ لگا کر کیا جاتا ہے۔

اصل زینت محض جسم کا سجنا سنورنا نہیں بلکہ اصل روح کی بالیدگی ہوتی ہے جبکہ روح کا سنگھار صبر و شکر ہوتا ہے۔ اسی سے خلوص، وفا، نباہ، درگزر اور احساس ہمدردی اور خیر خواہی پیدا ہوتا ہے، زندگی سے لے کر موت تک ہر ہر معاملہ آزمائش ہے، انا شادی شدہ رشتے کی دشمن ہی نہیں سب سے پہلے انانیت انسان کی خود کی دشمن

ہوتی ہے، جو اسے مختلف وجہیں تلاش کر ناشکری اور اذیت میں مبتلا رکھتی ہیں، انسان خود ایسی اذیت میں رہتا ہے وہ اپنے سکون کو خود اپنے ہاتھوں سے دور کرتا چلا جاتا ہے لیکن حقیقت جان نہیں پاتا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

الزام تراشیوں سے گریز:

میاں ،بیوی خود احتسابی کی بجائے الزام تراشی زیادہ آسان سمجھتے ہیں اور محبت کا رشتہ ہوتے ہوتے مقابلے بازی میں بدل جاتا ہے۔ انانیت اور خود سری شیطان کا عطیہ ہے، جو لہو میں دوڑ رہا ہے وہ ہر پل، ہر لمحہ 'میں' کو اکساتا رہتا ہے...

اللہ سے غافل ہوتے ہی ازواجی رشتہ 'ہم' میں پروان چڑھنے کی بجائے تو تو، میں میں کے ہاتھوں ذبح ہو جاتا ہے۔ اور قاتل خود کو مقتول سمجھتے رہتے ہیں، خود احتسابی کی بجائے الزام تراشی وطیرہ بن جاتی ہے۔

محبت کا ذریعہ نکاح:

ابن ماجہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا کہ محبت کا جوڑ لگانے والی چیزوں میں سے نکاح کا جوڑ سب سے زیادہ مضبوط اور پائیدار ہے۔ نکاح سے بڑھ کر کوئی اور چیز ایسی نہیں جس سے محبت میسر ہو جآ، اب اگر میاں بیوی میں وہ سکون و محبت و رحمت نہیں ہے تو سب سے پہلے ایک دوسرے کو الزام دینے کی بجآ اپنی اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دوسری جانب واقعی اصلاح کی ضرورت ہو۔

اس کیلئے ترک تعلق کی بجائے ارباب عقد و حل کی مدد لینی چاہئے جو شریعت مطہرہ کی روشنی میں صحیح رہنمائی کر سکیں، جیسے کوئی شخص بیمار ہو جاتا ہے تو اسے معالج کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ متاثرہ عضو کو براہ راست کاٹا نہیں جاتا بلکہ اس کا علاج کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں کاؤنسلنگ بہت موثر ثابت ہوتی ہے۔

کیا ہے سب سے ناپسندیدہ چیز؟

اللہ پاک کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ شے طلاق ہے، اور شیطان ایک شادی شدہ رشتہ کو ایک نسل ایک خاندان کی بربادی کیلئے اسی جانب لاتا ہے۔

خطبات حکیم الامت حقوق الزوجین میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کیونکہ ہماری عورتوں میں محبت کا مادہ اس قدر ہے کہ سچ مچ عشق کا مرتبہ ہے۔ کانپور میں دیکھا گیا ہے کہ بعضی عورتوں نے خاوند کے ظلم اور مار پٹائی سے تنگ آکر قاضی جی کے یہاں جاکر طلاق لینے کی درخواست کی۔

قاضی جی نے کوشش کر کے طلاق دلوادی۔ ساری عمر کی مصیبتوں اور مار پٹائی کی وجہ سے طلاق لے تولی۔

مگر طلاق کے وقت زار زار روتی تھیں اور یہ حالت تھی کہ ابھی مر جائیں گی۔ یا زمین پھٹ جائے تو اس میں سما جائیں گی۔

عورتوں کی یہ بات بہت قابل قدر ہے کہ ان کو خاوند سے عشق ہوتا ہے۔ پھر کیا اس کی یہی قدر ہے کہ ان کو تکلیف دی جائے یا ذرا سی ناگواری پر ان کو الگ کر دیا جائے...

کسی نے خوب کہا ہے ۔

آنرا کہ بجائے تست ہردم کرمے
عزرش بنر از کند ز بعمرے سخنے

کہ جس سے ہر وقت راحت پہنچے اس سے کسی وقت اذیت بھی پہنچے تو چشم پوشی کرنا چاہئے۔

میاں بیوی دونوں یاد رکھیں:

حضرت لقمان علیہ السلام نے جو حکیم تو سب کے نزدیک ہیں اور بعض کے نزدیک پیغمبر بھی ہیں ایک باغ میں نوکری کرلی، اس سے سبق لینا چاہئے کہ حلال پیشہ کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ مالک باغ ایک روز باغ میں آیا اور ان سے ککڑیاں منگائیں اور اس کو تراش کر ایک ٹکڑا ان کو دیا یہ بے تکلف بکر بکر کھاتے رہے اس نے یہ دیکھ کر کہ یہ بڑے مزے سے کھا رہے ہیں، یہ سمجھا کہ یہ ککڑی نہایت لذیذ ہے۔

ایک قاش اپنے منھ میں بھی رکھ لی تو وہ کڑوی زہر تھی، فوراً تھوک دی اور بہت منھ بنایا۔ پھر کہا، اے لقمان تم تو اس ککڑی کو بہت مزے سے کھا رہے ہو، یہ تو کڑوی زہر ہے۔

کہا جی ہاں کڑوی تو ہے کہا پھر تم نے کیوں نہیں کہا کہ یہ کڑوی ہے؟ کہا میں کیا کہتا مجھے یہ خیال ہوا کہ جس ہاتھ سے ہزاروں دفعہ مٹھائی کھائی ہے، اگر اس ہاتھ سے ساری عمر میں ایک دفعہ کڑوی چیز ملی تو اس کو کیا منھ پر لاؤں! یہ ایسا اصول ہے کہ اگر اس کو میاں بیوی دونوں یاد رکھیں تو کبھی لڑائی جھگڑا نہ ہو اور کوئی بدمزگی پیش نہ آوے۔

بیوی یاد کرے کہ میاں نے ہزاروں طرح کے ناز میرے اٹھائے ہیں ایک دفعہ سختی کی تو کچھ بات نہیں۔ اور خاوند خیال کرے کہ بیوی ہزاروں قسم کی خدمتیں میری کرتی ہے ایک دفعہ خلاف طبع بھی سہی، اللہ پاک اپنے پاس سے تمام ازواجی بندھنوں میں خیر و برکت و محبت و برداشت و سکون عطا فرمائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو دل و جان سے جینے اور رشتوں میں توازن رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ پاک سرخروئی عطا فرمائے۔ اللھم آمین!

اپنے عمل سے اصلاح کی ضرورت

رانا اعجاز حسین

آج ہمارے معاشرے میں شدید اخلاقی انحطاط پایا جاتا ہے۔لوگ جوک در جوک بے راہ روی کا شکار ہو رہے ہیں۔لوگوں نے نیکی اور بدی، حلال اور حرام کی سمجھ بوجھ رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ آخر اس معاشرتی بیگاڑ کی وجہ کیا ہے، ہمیں غور کرنا ہو گا کہ کیا ہم بحثیت مسلمان اپنا فرض اچھے طریقے سے ادا کر رہے ہیں، کیا ہم اپنے نفس کا محاسبہ کر رہے ہیں، کیا ہم سیدھے راستے پر ہیں، کیا ہم اپنے ماتحت اور اہل و اعیال کی اصلاح کا ذریعہ بن رہے ہیں، کیا ہم اپنے حقوق اور فرائض اچھے طریقے سے ادا کر رہے ہیں۔ ہمارا پیارا مذہب اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اس میں ہر طبقے کے متعلق ہدایات موجود ہیں کوئی طبقہ ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں اسلام نے کوئی رہنمائی نہ کی ہو اب صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اسلام سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہو اور اپنا تعلق اپنے حقیقی خالق و مالک سے استوار کرے اور اپنی ہر خواہش کو رب تعالیٰ کے حکم کے سامنے قربان کرے۔ کیا کبھی آپ نے سوچا کہ آخر کیوں آج ہمارے معاشرے کی حالت دگرگوں ہے، ہمارے گھر کا ماحول غیر اسلامی کیوں ہے، ہمارے خاندان کا شیرازہ کیوں بکھر رہا ہے، اور ہمارا معاشرہ اصلاح کی شاہراہ پر کیوں نہیں چل رہا، اس کی وجہ صرف اور صرف دین اسلام سے دوری اور اصلاح معاشرہ کے پیغمبرانہ اصولوں سے انحراف ہے، ہمارے معاشرے میں جو لوگ دیندار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی صرف اپنی ذات کی حد تک ہیں، خود صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں، دین میں سمجھ بوجھ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور گناہوں سے بچنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں، لیکن گھر کے ماحول کو بدلنے کی کوئی فکر نہیں اور اپنے اہل خانہ کو دین کی طرف

لگانے کا بھی کوئی اہتمام نہیں۔

اسلامی تعلیمات نے انسان پر صرف اپنی اصلاح کی ذمہ داری عائد نہیں کی، بلکہ اپنے گھر والوں کی اصلاح کی ذمہ داری بھی ڈالی ہے، اپنی اولاد، عزیز واقارب اور اپنے خاندان کو راہ راست پر لانے کا فریضہ بھی گھر کے سربراہ پر عائد کیا ہے، خود حضرات انبیائ علیہ السلام بھی اس فریضے سے مستثنیٰ قرار نہیں دیے گئے، حتی کہ امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پہلا تبلیغی حکم دیا گیا وہ یہ تھا "وانذر عشیرتک الاقربین" (کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے) عشیرہ کے معنی کنبہ اور خاندان کے ہیں ،یعنی تزکیر و ترہیب اپنے گھر سے شروع کریں، چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عزیز واقارب اور اپنے خاندان کو کھانے پر جمع کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا "اے بنی عبد المطلب، مجھے اللہ کی طرف سے تمہارے حق میں کوئی اختیار نہیں، تم میرے مال میں سے جتنا چاہو مجھ سے لے لو، خدا کی قسم جو چیز میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں۔ مجھے عرب میں کوئی ایسا جوان معلوم نہیں جو اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر کوئی چیز لایا ہو، میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی طرف دعوت دوں، تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میرے ہاتھ مضبوط کرے اور اس کے نتیجے میں میرا بھائی بن جائے" (تفسیر ابن کثیر 3/351)

اسی طرح ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین سے خطاب کے ذریعے اسی بات کی تنبیہ فرمائی چنانچہ ارشاد ہے "یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا"..... اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی

آگ سے۔ اس کی تشریح کرتے ہوے مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ رقمطراز ہیں ”لفظ اہلیکم میں اہل وعیال جن میں بیوی، اولاد، باندیاں اور غلام سب داخل ہیں اور بعید نہیں کہ ہمہ وقتی نوکر، چاکر، خادم بھی غلام باندیوں کے حکم میں ہوں۔“ (معارف القرآن) اس آیت میں گھر کے سربراہ کو حکم دیا جارہا ہے کہ خود بھی دوزخ کے عذاب سے بچے اور جو لوگ اس کی تربیت و کفالت اور ماتحتی میں رہتے ہیں ان کو بھی عذاب سے بچائے۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کی فکر کی جائے یہ بات تو سمجھ میں آگئی، لیکن اہل وعیال کو کس طرح دوزخ سے بچائیں؟، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا” اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے بچانے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے تم بھی ان کاموں کے کرنے کا اپنے اہل وعیال کو حکم دو اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے تم بھی ان کاموں سے اپنے اہل وعیال کو منع کردو، یہ عمل ان کو دوزخ کی آگ سے بچاسکے گا۔ حضرات فقہائے کرام نے فرمایا ہے یہ آیت ہر انسان پر ایک فرض عائد کرتی ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دیں اور اس پر عمل کرانے کی عملی کوشش کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع غلہ صدقہ کرنے سے بہتر ہے، نیز فرمایا کسی باپ نے بچے کو اچھے ادب سے بڑھ کر کوئی ہدیہ نہیں دیا۔ (مشکواۃ 423) ان دونوں احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی تعلیم وتربیت پر کتنا زور دیا ہے ان کی تعلیم وتربیت اور ادب سکھانے کو صدقہ کرنے سے افضل قرار دیا ہے، جب اولاد کی تربیت اچھی ہوگی تو ظاہر ہے کہ وہ والدین کے لئے سکون قلب اور نیک نامی کا باعث بنے گی۔ بعض حضرات یہ عذر بیان کرتے

ہیں کہ ہم نے بہت کوشش کی اپنے گھر کے ماحول کو درست کرنے کی اور اپنی اولاد کو اچھی تربیت دینے کی، لیکن زمانہ کی ہوا ہی ایسی چل پڑی ہے کہ اولاد ہماری وعظ و نصیحت کا کوئی اثر لینے کو تیار ہی نہیں اور نہ ہی ہماری بات پر کان دھرنے کو تیار ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ لیکن یہ خیال محض ایک دھوکہ ہے۔ حقیقت کچھ بھی نہیں ،سوال یہ ہے کہ آپ نے کتنی کوشش کی ہے کتنے اضطراب اور کتنے سوز دل کیساتھ ان کو سمجھانے کی کوشش کی ہے؟ آپ کی اولاد اگر جسمانی طور پر بیماری میں مبتلاء ہو جائے یا خدانہ کرے آگ میں چھلانگ لگانے کی خواہش ظاہر کرے تو اس وقت آپ اپنے دل میں کتنی تڑپ محسوس کریں گے اور یہ تڑپ آپ کو کیسے کیسے مشکل ترین مراحل سے گذرنے پر مجبور کرے گی، لیکن یہ سب کچھ سہہ لینے کا آپ میں حوصلہ موجود ہو گا اور آپ بے تاب ہوں گے کہ کب یہ گھڑی آئے کہ میں اپنے بیٹے کو صحت وعافیت کیساتھ دیکھوں اور یہ مشکل وقت ہم سے ٹلے، سوال یہ ہے کہ آپ نے کبھی اپنے بیٹے کو گناہوں کی چکی میں پستے دیکھ کر اس قدر پریشانی اٹھائی ہے اور اتنی تڑپ محسوس کی ہے، جتنی اس کی بیماری کی حالت میں محسوس کی؟

اگر آپ نے اس قدر کوشش کر ڈالی ہے اور اتنی تڑپ محسوس کی ہے تو بلا شبہ آپ نے اپنا فرض بجاطور پر ادا کر دیا ہے اور آپ کی کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہے، یعنی آپ نے اتنی کوشش نہیں کی کہ جتنی کرنی چاہیے تھی یا آپ نے اتنی لگن اور کاوش کا مظاہرہ نہیں کیا جتنا دنیاوی بیماری پر کیا تھا تو بیشک آپ کے انداز تربیت میں کوتاہی ہے، جب آپ دنیاوی معاملات میں اس کے ساتھ سختی کا برتاو کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے دین کے معاملہ میں اتنی نرمی کیوں اختیار کی گئی کہ ایک دو دفعہ کہہ دینے یا چند بار ڈانٹ ڈپٹ پر اکتفاء کر لینے کو فرض کی ادائیگی سمجھ لیا گیا۔ جس ہمت و کوشش اور فکر و لگن سے آپ ان کے لیے روزگار

تلاش کرتے ہیں اتنی ہی فکر و لگن اس کی اصلاح کی طرف کیوں نہیں کرتے۔ بہر نوع! اولاد کی تربیت و اصلاح کے لئے سوز قلب، توجہ اور خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کیجئے اور ساتھ ساتھ ان کی تعلیم و تربیت پر بھی بھرپور توجہ دی جائے تو بہت جلد اس کے ثمرات ظاہر ہو سکتے ہیں، جب ایک فرد اپنی اصلاح کی طرف پوری توجہ مبذول کرے گا تو اس سے ایک اچھا معاشرہ وجود میں آئے گا اور جب ایک معاشرہ اپنی صحیح راہ کی طرف چل پڑے گا تو دھیرے دھیرے اس کے اچھے اثرات پوری قوم میں منتقل ہوں گے اور پوری قوم میں اصلاح کا جذبہ بیدار ہو گا۔

آخر میں معاشرے کی اصلاح کی طرف متوجہ کرتے ہوئے مفتی محمد تقی عثمانیؒ کا درد دل ملاحظہ ہو "اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ کا دین برحق ہے اور مرنے کے بعد جزا و سزا کے مراحل پیش آنے والے ہیں تو خدا کے لئے اپنی اولاد کو بھی اس جزا و سزا کے دن کے واسطے تیار کیجیے، اسے ضروری تعلیم دلوایئے، اس کے ذہن کی شروع ہی سے ایسی تربیت کیجئے کہ اس میں نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو، اس کی صحبت اور اسکا ماحول درست رکھنے کا اہتمام کیجئے، اپنے گھروں کو تلاوت قرآن اور اسلاف امت کے تذکروں سے آباد کیجئے، گھر میں کوئی ایسا وقت نکالئے، جس میں سارے گھر والے اجتماعی طور پر دینی کتب کا مطالعہ کریں، اپنے ذاتی عمل کو ایسا دلکش بنایئے کہ اولاد اس کی تقلید کرنے میں فخر محسوس کرے، اپنے اہل وعیال اور اقارب و احباب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیجئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صراط مستقیم پر گامزن ہونے اور رہنے کی توفیق عطا فرمائے"۔ ان باتوں پر اگر خلوص دل سے عمل کر لیا جائے تو ہم اپنے گھر اور معاشرے کو ایک بہترین معاشرہ بنا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سربراہ بنایا ہے تو آپ کو بھی چاہیے کہ آپ اپنے اہل وعیال اور اولاد کے لئے اچھی راہ کا انتخاب کرتے ہوئے انہیں اچھی راہ پر گامزن کریں۔

ماں کا احترام شریعت کی نظر میں

مدثر احمد قاسمی

ایک لفظ جس کو "ماں" کہتے ہیں، اس میں موجود ممتا کا عنصر دنیا میں آنے والے ہر انسان کیلئے آبِ حیات کی مانند ہے، جسکو پی کر انسان زندگی کی ہر آسان اور مشکل راہوں پر چلنے کا حوصلہ پاتا ہے۔ آپ نے ماں کی لوریاں ضرور سنی ہوں گی اور آپ نے محسوس بھی کیا ہوگا کہ دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے یہ نغمے بچوں کو بالکل مسحور کر دیتے ہیں اور بچے نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ ایک بیمار بچے کی ماں کو بھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ کس طریقے سے وہ اپنے لختِ جگر کی تکلیف سے خشکی میں تڑپتی ہوئی مچھلی کا نمونہ بن جاتی ہے۔ یہ ماں ہی ہوتی ہے جو بچوں کی خطاؤں اور لغزشوں پر عفو و درگذر کا پیکر بن جاتی ہے اور خدا کے حضور اپنے بچے کی اصلاح اور نیک زندگی کی دعا کرتی ہے۔

وہ ماں جو اپنا سب کچھ نچھاور کر کے آسودگی محسوس کرتی ہے، اسی ماں کے ساتھ آج کا بیٹا جو سلوک روا رکھتا ہے، وہ سماجی مصلحین کے لئے ایک پیچیدہ سوال کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔ شادی سے پہلے تک کے معاملات کسی حد تک اطمینان بخش ہوتے ہیں، لیکن شادی کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک چمن اجاڑ کر دوسرا چمن بسایا گیا ہے۔ بیوی سے قربت کا مطلب ماں سے دوری ہرگز نہیں ہے، ہر ایک کا (ماں کا بیٹے پر اور بیوی کا خاوند پر) جو حق ہے اگر اسے دے دیا جائے تو زندگی کی گاڑی پٹری پر چلتی رہے گی۔ المیہ یہ ہے کہ جو حضرات عقلِ سلیم رکھتے ہیں اور حق کو بھی سمجھتے ہیں اُن سے بھی کوتاہی ہو جاتی ہے۔ اگر کئی بھائی ہیں تو ہر بھائی دوسرے بھائی سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ ماں کا خیال رکھے، نتیجتاً انہیں جو توجہ ملنی چاہئے وہ نہیں مل

پاتی۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ماں کی خدمت کے ذریعہ دنیاوی اور اُخروی سعادت کے مستحق بنتے ہیں لیکن افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس عظیم نعمت کے زیرِ سایہ زندگی گذارتے ہیں لیکن قدردانی سے محروم رہتے ہیں۔ میری آنکھوں نے شہر میں ایک ایسے گھرانہ کو دیکھا ہے جہاں بیٹا، بہو اور پوتے پوتیاں گھر میں سویا کرتے تھے اور بوڑھی وضعیف ماں گھر سے باہر کی راہداری میں سویا کرتی تھی۔

ماں کی عظمت کا اعتراف سبھی کو ہوتا ہے ،اس کے باوجود ان کے تئیں کوتاہی ہوتی ہے۔ آخر اس پستی کی وجہ کیا ہے؟ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ سماجی نظام کے بگاڑ، نے سب کو بگاڑا ہے۔ وہ بیوی جو شوہر کے کان بھرتی ہے وہ یہ نہیں سمجھتی ہے کہ میں بھی کبھی اس حالت کو پہنچوں گی، اور شوہر یہ سمجھ نہیں پاتا کہ جس ماں نے مجھے جنم دیا ہے کیا وہ میری بھلائی کے علاوہ کچھ اور سوچ سکتی ہے۔ آج کی دنیا کو اگر اس معاشرتی بحران سے نکلنا ہے تو حبیبِ خدا محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی تعلیم کو نہ صرف عام کرنا ہوگا، بلکہ اسے عملی زندگی میں لانے کی کوششیں بھی کرنی ہوگی۔

حبیبِ خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کی والدہ محترمہ حضرتِ آمنہ چونکہ آپ ﷺ کے ایامِ طفولیت ہی میں داغ مفارقت دے گئی تھیں، اسلئے آپ کو عملی زندگی میں ماں کے ساتھ برتاؤ کا نمونہ پیش کرنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن قربان جایئے اس محسنِ انسانیت پر جنہوں نے اس باب میں بھی رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لئے ایک نمونہ چھوڑا۔ ذیل کی روداد کو پڑھئے اور آپ ﷺ کے معلمِ انسانیت ہونے کی گواہی دیجئے: ”رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر نے عمرؓ سے فرمایا کہ چلو حضرت ام ایمنؓ کے پاس ہو کر آئیں، جیسا حضور پاک ﷺ ان کے پاس آیا کرتے تھے۔“ (مسلم شریف)

خلاصہ یہ کہ حضرت امِ ایمنؓ آپ ﷺ کو بطورِ کنیز وراثتاً ملی تھیں، لیکن آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا۔ انہوں نے حبیبِ خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کو گود میں کھلایا تھا، اس لئے آپ ﷺ انکی بہت تعظیم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری والدہ کے بعد امِ ایمن میری ماں ہیں، چنانچہ آپ ﷺ انہیں امی کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً ان کی مالی مدد بھی فرماتے رہتے تھے۔ اگر کبھی وہ اپنی کوئی حاجت لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو آپ ﷺ ان کی وہ حاجت فوراً پوری کر دیتے تھے۔

آج کے تہذیب یافتہ لوگوں سے ایک چبھتا ہوا سوال یہ ہے کہ اگر آپ اس ماں کی خدمت نہیں کر سکتے جس نے اپنی کوکھ میں آپ کو نو (۹) مہینے تک رکھا، تو پھر آپ کس کی خدمت کر سکتے ہیں؟ یاد رکھئے اولڈ ایجڈ ہوم میں بھیج دینے سے آپ ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے اور نہ ہی گھر کے کسی ایک کونے تک محدود کر دینے سے آپ کا بوجھ ہلکا ہو سکتا ہے۔ حبیبِ خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی ماں کی خدمت کا موقع نہیں ملا تو آپ ﷺ نے ان کی خدمت کی جنہوں نے آپ ﷺ کو گود میں کھیلایا اور انتہا تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو ماں کہہ کر پکارا۔ ان خوش نصیب لوگوں کے لئے جن کی مائیں زندہ ہیں یہ پیغام ہے کہ خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں اور اس کو اپنے لئے غنیمت و باعث سعادت سمجھیں۔ اگر آپ سعادت مند اولاد میں شامل ہو کر کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ان ناتواں جسموں کو سہارا دیجئے جنہوں نے کبھی آپ کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا، ان لرزتی اور لڑکھڑاتی ہوئی آوازوں کو سمجھنے کی کوشش کیجئے جنہوں نے کبھی آپ کی توتلی زبان کو سمجھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ ہمیشہ اس بات کو ذہن میں رکھئے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے چاہا تو آپ بھی بڑھاپے کی عمر پائیں گے اور اس وقت آپ نے جو بویا ہے وہی کاٹیں گے۔

دل کا پردہ؟؟

نگہت قیوم

کافی عرصہ کے بعد آج ایک شادی میں جانے کا اتفاق ہوا۔

اتفاق اس لیے کہ میں ایسی تقریبات میں جانے سے زیادہ تر گریز کرتی ہوں جہاں مرد وزن میں اختلاط کے بسبب بے پردگی کا احتمال ہو.

لیکن یہ شادی قریب میں ہی تھی کہ جب چاہوں گھر واپس آ جاتی اور جس لڑکی کی شادی ہو رہی تھی اسی کے اصرار پہ حامی بھرنا پڑی کیونکہ اس نے یقین دلایا تھا کہ آپ کے لیے پردے کا احتمال ہو گا۔

جب وہاں پہنچی تو کافی گہما گہمی تھی۔

سب گھر کی میزبان خواتین سے ملنے کے بعد میں نے دلہن کے بارے میں دریافت کیا ربیعہ کہاں ہے؟

تو بلا توقف مجھے اس کے پاس پہنچا دیا گیا۔

جہاں ایک آرائش گر (بیوٹیشن) خاصی جانفشانی سے اسے سجانے سنوارنے میں مصروف عمل تھی۔

ارے اپیا آآآپ...؟

ربیعہ نے مجھے دیکھتے ہی والہانہ انداز میں کہا اور اٹھ کر گلے ملی۔

کیسی ہو؟ میں نے پوچھا۔

میں ٹھیک ہوں بس آپ کو دیکھ کر یقین نہیں آرہا کہ آپ آئی ہیں ربیعہ نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

تمہاری شادی پہ کیسے نہ آتی میں نے اس کے جواب میں کہا. اچھا آپ بیٹھیے

یہاں پہ۔

اس کہ کہنے پہ میں ایک طرف پڑے صوفے پہ براجمان ہو گئی۔

اسی دوران کمرے میں ایک ادھیڑ عمر خاتون داخل ہوئی جو دیکھنے سے کافی مہذب اور سلجھی ہوئی لگتی تھی۔

ان کے ہاتھ میں ذیورات کے ڈبے تھے جو دلہن کو پہنانے کے لیے لے کر آئی تھی. وہ وہی ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھ کر میرے قریب آکر بیٹھ گئیں تو میں نے سلام کیا جس کا انہوں نے خوشدلی سے جواب دیتے ہوئے ربیعہ کی سمت استفہامیہ نظروں سے دیکھا. ربیعہ نے ان کی نظروں کا تاثر سمجھتے ہوئے میرا تعارف کروایا کہ یہ میری ٹیچر ہیں ان کے پاس میں نے قرآن پاک بمع ترجمہ و تفسیر پڑھا ہے۔

اچھا اچھا انہوں نے سر کو اوپر سے نیچے کی جانب خم دیتے ہوئے کہا.

پھر ربیعہ نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے بتایا کہ یہ میری خالہ لگتی ہیں رشتے میں لاہور سے شادی میں شرکت کے لئے آئی ہیں اور ایک کالج میں پرنسپل ہیں..

اچھا جی بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر میں نے رسما اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ اتنے میں ایک نو عمر لڑکی کمرے میں آئی جو اپنی ڈریسنگ اور ہیئر سٹائل سے کافی ماڈرن لگتی تھی اور اس پر متضاد کہ وہ کافی خوبصورت بھی تھی. اس نے آتے ہی میرے ساتھ بیٹھی خاتون کو مخاطب کیا، آپ یہاں ہیں اور میں آپ کو تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔ ذرا مجھے جیولری تو نکال دیں جو آپ کے ہینڈ بیگ میں تھی۔

تو وہ اپنی گود میں رکھے بیگ میں سے نکالنے لگی۔ اور ساتھ ہی مجھے بتایا کہ یہ میری بیٹی ہے سارہ ایف ایس سی کر رہی ہے۔ اور پھر اس لڑکی سے میرا وہی تعارف دوہرایا جو ابھی چند لمحے پہلے ربیعہ نے کروایا تھا۔

اچھا اچھا تو آپ ربیعہ کی ٹیچر ہیں جن کے بارے میں ہر وقت یہ بات کرتی

رہتی ہے۔

آپ تو کافی ینگ ہیں مجھے لگتا تھا کوئی ایجڈ سی آنٹی ہوں گی۔

اس نے بلا توقف کہا جبکہ جوابا میں صرف مسکراہٹ پہ اکتفا کر سکی.

سنا ہے آپ پردہ کرتی ہیں ربیعہ بتا رہی تھی کہ اسی لیے آپ کہیں آتی جاتی نہیں..

اگلا سوال آیا۔

لگ رہا تھا ربیعہ کے توسط سے خاصی معلومات تھی سب کو میرے متعلق۔

جی ہاں

میں بس اتنا ہی کہہ سکی۔

ربیعہ بہت تعریفیں کرتی ہے آپ کی ہمارے تو کان پک گئے ہیں. ہر بات میں آپ کا ہی حوالہ دیتی رہتی ہے۔

یہ اس کی محبت ہے تبھی تو آج اس کے کہنے پر آئی ہوں یہاں. میں نے جواب دیا. اچھا تو آپ پردہ کیوں کرتی ہیں اتنی اچھی شکل تو ہے آپکی پھر بھی پردہ.. اس کے اس سوال نے چند لمحوں کے لیے مجھے گنگ کیا تھا اور اس سے زیادہ حیران.. آخر میں نے کہا کہ پردے کا مقصد اپنی بدصورتی چھپانا ہے یہ آپ سے کس نے کہا؟

کسی نے کہا تو نہیں بس یونہی آپ کو دیکھ کر کہا ہے۔

ہمارے رب کا حکم ہے اس لئے پردہ ضروری ہے. تب میں نے جواب دیا۔

اتنے میں ساتھ بیٹھی آنٹی بولی کہ پردہ اتنا بھی ضروری نہیں جتنا یہ عالم لوگ کہتے ہیں۔ میں نے بھی قرآن پاک کا ترجمہ پڑھا ہے وہاں تو ایسا کچھ نہیں لکھا۔

لگتا ہے پھر آپ نے سورہ احزاب اور سورہ نور نہیں پڑھیں. میں نے حیران ہوتے ہوئے ان سے کہا. تب انہوں نے جواب دیا وہ بھی پڑھیں ہیں لیکن سورہ احزاب میں تو اللہ نے امہات المومنین سے خطاب فرمایا ہے کہ وہ پردہ کریں جبکہ سورہ

نور میں بھی ایسا نہیں لکھا کہ عورتیں مکمل حجاب کریں۔

چہرے پہ نقاب کرنے کی تخصیص نہیں کی گئی وہاں پہ. تب میں نے ان کے جواب میں کہا کہ مسلمان عورتوں کو پردے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ منافقین اور یہود و نصاریٰ عورتوں کو تنگ کیا کرتے تھے جب وہ باہر نکلتی اور جب ان سے باز پرس کی جاتی تو یہ کہ کر ٹال دیا کرتے کہ ہم سمجھے باندی تھی۔

جبکہ وہ جان بوجھ کر آزاد اور مسلمان عورتوں کو تنگ کرتے تھے. تب یہ آیات نازل ہوئیں کہ مسلمان آزاد عورتیں باہر نکلنے سے پہلے اپنے آپ کو اس طرح ڈھانپا کریں تا کہ پہچانی نہ جائیں نیز آزاد اور اور غلام عورتوں کی تخصیص بھی ہو جائے تا کہ منافقین اور غیر مسلموں کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے عزت دار عورتوں کو تنگ کرنے کا۔

اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ انسان کا چہرہ ہی اس کی اصل پہچان کا سبب ہے ہاتھ پاؤں اور بقیہ جسم دیکھ کر انسان کو پہچان پانا خاصا مشکل امر ہے جبکہ چہرہ دیکھتے ہی ہم پہچان جاتے ہیں کہ یہ کون ہے؟

تو اگر پہچان چھپانا مقصد ہے تو چہرے کا پردہ بدرجہ اولیٰ اس میں شامل ہے. لیکن یہ پردہ کرنے کی رائے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حکم نہیں دیا تھا۔

ایک اور غیر متوقع سوال کر کہ مجھے مزید حیران کیا گیا.. جی ہاں یہ بات درست ہے کہ سب سے پہلے یہ رائے حضرت عمر نے ہی دی تھی کیونکہ حدیث شریف میں ہے جس کا مفہوم ہے کہ اللہ رب العزت بہت غیور ہے نیز غیرت کو پسند فرماتا ہے اور عمر سب سے زیادہ غیرت مند ہے۔ تو اس وقت حضرت عمر کی غیرت کا تقاضا یہی تھا جو انہوں نے بارگاہ نبوی میں عرض کر دیا کہ آزاد مسلمان عورتوں کو پردہ کرنا

چاہیے۔ یہ محض حضرت عمر فاروق کی رائے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آنے والا تھا وہ پہلے ہی ان کے دل میں القاء کر دیا گیا۔ کیونکہ حدیث مبارک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کی زبان اور دل پہ حق کو جاری فرما دیا ہے. خود حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کی ایسی کم و بیش 27 باتیں ہیں جن میں میری زبان اور دل نے اللہ کریم کے احکامات کی موافقت فرمائی اور بعد ازاں وہ شریعت اسلام کا حصہ بنی.. انہیں میں سے ایک یہ عورتوں کا پردہ کرنا بھی ہے۔

ہمم.. اچھا. ویسے دل اور آنکھوں میں حیانہ ہو تو محض چہرہ چھپا لینے سے کیا ہوتا ہے۔ بس دل اور آنکھ کا پردہ ہونا چاہئے.. ایک اور تاویل میری سماعتوں سے ٹکرا کر مجھے مزید حیرت میں مبتلا کر گئی تھی۔ تب میں نے پوچھا کہ کیا ہم زمانہ نبوت کی عورتوں سے زیادہ حیادار ہیں؟ یا ہمارے آج کے معاشرے کے مرد صحابہ کرام سے زیادہ پاکباز اور نظر کی حفاظت کرنے والے.؟

اس دفعہ گنگ ہونے کی باری ان آنٹی جی کی تھی.. نہیں نہیں نعوذ باللہ یہ کیسے ممکن ہیں ہم لوگ تو ان کی گرد راہ کو بھی نہیں چھو سکتے۔

تو پھر آپ نے یہ کیوں کہا کہ آنکھ اور دل کا پردہ ہونا چاہیے. کیا امہات المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر جناب فاطمہ الزہراء جنہوں نے فرمایا تھا میرا جنازہ بھی رات کے وقت لیکر نکلنا تاکہ کسی غیر محرم کی میرے کفن پہ بھی نظر نہ پڑے۔ ان کی آنکھ اور دل کا پردہ نہیں تھا؟ وہ بھی صحابہ کرام جیسی ہستیوں سے. جبکہ ہمارے پر فتن دور میں تو ہر نگاہ سم قاتل ہے.. ہمیں تو زیادہ اپنے آپ کو چھپانے کی ضرورت ہے ان ہوس زدہ نظروں سے جو ہر سمت اپنے شکار کے تعاقب میں لگی ہیں.. کاش کہ میری مائیں بہنیں سمجھ پاتی کہ مرد نے کس طرح آزادی کے نام پہ انہیں رسوا اور بے وقعت کر دیا ہے. وہ عورت جسے ہمارے مذہب نے پردے میں ڈھانپ کر

باپ بھائی شوہر اور بیٹے کو اس کا باڈی گارڈ بنایا اس نے خود اپنے آپ کو مغرب کے آزدی نما ذلت آمیز جھانسے میں آکر خود کو یوں بے مول کیا کہ جگہ جگہ اپنی بولی لگوا رہی ہے. کہیں ماڈل کے نام پہ شو پیس بن کر کہیں صابن اور کریموں کے لیبل پر آویزاں ہو کر جگہ جگہ پاؤں کے نیچے روندی جارہی ہے۔

اب ادھر شادی بیاہ کی تقریبات میں ہی دیکھ لیجیے کہ کیسے کیسے بے پردگی ہو رہی ہوتی ہے. اچھے خاصے دیندار گھرانوں میں بھی ایسے مواقع پر پردے کا خیال نہیں رکھا جاتا.نہ صرف شادی بیاہ میں بلکہ کوئی فوت ہوجائے تب بھی یہی ہوتا ہے. شادی کے دن دلہن کو سجا سنوار کر سب مردوں کے سامنے بٹھا دیا جاتا ہے جیسے وہ انسان نہیں دکھانے کی کوئی چیز ہو۔ مجھے باہر لیجانے سے پہلے بڑی سی چادر اوڑھا دیجئے گا۔ ربیعہ کی آواز آئی۔

اور ایک آخری بات وہ یہ کہ نماز نہ پڑھنا اتنا زیادہ گناہ کا سبب نہیں جتنا یہ کہنا گناہ ہے کہ نماز پڑھنا کوئی فرض نہیں ہے بلکہ یہ تو مطلق ایک دعا کا نام ہے. کیونکہ کہ نماز نہ پڑھنے والے کی توبہ کا امکان موجود ہے جبکہ نماز کا انکار کرنے والا توبہ کی نعمت سے بھی محروم ہو جائے گا.. اسی طرح پردہ نہ کرنا برا نہیں جتنا کہ سرے سے اس کی نفی کر دینا ہے.. اسی دوران مجھے پتہ ہی نہیں چل سکا کہ وہاں چند اور خواتین بھی آچکی تھی اور غیر ارادی طور پہ سبھی اپنے اپنے سر ڈھانپ چکی تھی۔

بہت شکریہ بیٹا اتنی خوبصورتی سے اتنی اہم بات سمجھانے کے لئے. ورنہ تو لوگ ایسے سوالات پہ غصہ کرنے لگتے ہیں جواب دینے کی بجائے۔

اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے میں نے تو صرف آپ کے سوالات کے اپنے ناقص علم کے مطابق جواب دیئے ہیں.. پردہ اتنا اہم ہے مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا اب انشاءاللہ میں بھی پردہ کروں گی۔

جھوٹ کی پھیلتی امر بیل

محمد ہاشم

جھوٹ جھوٹ ہوتا ہے، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، جھوٹ بدترین گناہ ہے، کسی بارے میں خلاف حقیقت خبر دینے کو جھوٹ کہا جاتا ہے۔ یہ سبق زندگی کے تدریسی عمل کے دور میں ہمیں اساتذہ دیا کرتے تھے اور تقریباً روزانہ ہمیں اُن واقعات سے گزرنا پڑتا تھا جس میں تھوڑا بہت، ہم سمیت ہماری جماعت کے ساتھی، ہمارے دوست جھوٹ بولنے میں ملوث ہو جایا کرتے تھے، کبھی سبق یاد نہ کرنے کی صورت میں، کبھی گھر کا کام مکمل نہ ہونے کے باعث تو کبھی تاخیر سے اسکول پہنچنے کی وجہ سے، لیکن جھوٹ بولتے ہوئے ہمارے انگ انگ سے یہ اظہار ہو جایا کرتا تھا کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ زندگی بھر کا مشاہدہ ہے کہ جھوٹ کی وجہ سے کبھی کامیابی کا سامنا نہیں ہوا، بلکہ ہمیشہ خفت و شرمندگی کا ہی سامنا کرنا پڑا۔ یہ سوال ہمارے ذہن کے ننھے دریچوں میں ہمیشہ کلبلاتا رہتا تھا کہ آیا جھوٹ کے ذریعے کامیابی حاصل کیوں نہیں ہوتی، کیوں ہمیشہ جھوٹ بولنے کے بعد شرمندگی اور خجالت کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ جوں جوں تدریسی عمل آگے بڑھتا گیا ذہن کے اسکرین کو وسعت ملی تو علم کی روشنی اور جستجو کی تمنا اُن دریچوں میں داخل ہونا شروع ہوئی، نتیجہ یہ ہی برآمد ہوا کہ جب جھوٹ بولنے کو اللہ اور کائنات کے تسلیم شدہ اعلیٰ سیرت یافتہ اللہ کے رسول، ہمارے پیارے نبی ﷺ نے جھوٹ کے عمل کو گھناؤنا عمل اور شرمندگی کا باعث قرار دے دیا ہے تو جھوٹ کے ذریعے کامیابی کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

آج کل وہی درج بالا سوال ہمارے ذہن میں دوبارہ ارتعاش پیدا کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ تفکرات میں بھی اضافہ کر رہا ہے کیونکہ سوال کی نوعیت تبدیل ہو چکی

ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب ریاستی سطح سے جھوٹ بولا جائے گا اور اُس کے اثرات معاشرے پر مرتب ہونگے اور جب ہم من حیث القوم جھوٹ جیسے گناہ کبیرہ کو گناہ سمجھنا چھوڑ دیں گے۔ سچائی کو جھٹلائیں گے جھوٹ کو فروغ دیں گے۔ جھوٹ بولنے پر نتیجہ شرمندگی ہو گی لیکن شرمندہ نہیں ہونگے۔ ہر شعبے میں جھوٹے اور باتونی چارہ گروں کا انتخاب کریں گے تو کیا ایسا معاشرہ خیر کا معاشرہ ہو گا، ایسے معاشرے کا مقدر کیا ہو گا، انجام کیا ہو گا؟

دور حاضر میں جھوٹ کی تربیت گھر کی چہار دیواری سے ہی شروع ہو جاتی ہے جب گھر کا سربراہ اپنے بچے کو یہ کہہ رہا ہو کہ-"جاؤ انکل سے کہہ دو بابا گھر پر نہیں ہیں" اس جھوٹ پر مبنی عمل کو بارہا دُہرانے سے بچے کی جھوٹ بولنے کی عادت پختہ ہوتی چلی جاتی ہے تو وہ جھوٹ کو چالاکی اور مفید عمل سمجھنے لگتا ہے پھر وہی بچہ بڑا ہو کر معاشرے میں جھوٹ کے پھیلاؤ کا ذریعہ بن جاتا ہے اور آج کا معاشرہ اُسی تربیت کی دین نظر آرہا ہے۔ آج ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے فرد میں وہ بچہ پختگی کے ساتھ جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی فخریہ انداز میں کوشش کرتا نظر آرہا ہے۔

جھوٹ کی امر بیل سے ہر شخص لپٹا اور اسکی کیچڑ سے لتھڑا نظر آرہا ہے۔ جھوٹ کو (اُم الخبائث) ہر برائی کی ماں کہا گیا ہے۔ کرپشن ورشوت ستانی اور ان جیسی خوفناک بُرائیوں کا جنم اسی ماں کے کوکھ سے ہوتا ہے۔ ہمارے پیارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان کو جو بڑی قربانیوں کے عوض اس مقصد کے تحت حاصل کیا گیا تھا کہ اس مسلم ملک کو تمام مسلم ممالک بلکہ دُنیا کے ایک عظیم الشان ملکوں کی صف میں کھڑا کر کے دکھائیں گے۔ آج ہر سو جھولتے، لہلہاتے کھیتوں والے اس زرعی ملک کو جھوٹ و فریب پر کھڑی فصل کا سامنا ہے۔ چمکتے دمکتے دیو ہیکل معدنیات سے بھرے پُرے

پہاڑوں والے ملک کو ایسے سنگدل افراد کا سامنا ہے جو اُٹھتے بیٹھتے ،سوتے جاگتے سازشوں کے جال بننے کے عادی ہیں۔اس ملک کی سر زمین ،لہلہاے کھیتوں اور معدنیات سے مالا مال ہے جو تا حیات توانائی کے بحران کا خاتمہ کر سکتی ہے بلکہ ہمارے ملک کی ترقی کا ضامن بھی ہیں۔ لیکن اس پاک سرزمین کو فلاح و بہبود کے نام پر قرض لے کر گروی رکھنے والے، عیاشی کرنے والے شہنشاہوں کا سامنا ہے۔ایک فرقے کا شخص دوسرے فرقے کی کبھی مدد نہیں کرے گا چاہے وہ کتنا ہی مظلوم کیوں نہ ہو۔ ایک پارٹی کا کارکن دوسری پارٹی کے کارکن کی کبھی حمایت نہیں کرے گا خواہ وہ کتنا ہی سچا، ایماندار اور مخلص کیوں نہ ہو۔کاروبار جھوٹ بول کر کیا جارہا ہے۔خورد ونوش کی اشیاء میں ملاوٹ کا رجحان پروان چڑھ چکا ہے۔ مظلومیت کا روپ دھار کر گداگری میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ کم تولنا، فراڈ کرنا، لوٹ کھسوٹ کو چالاکی، سیاناپن سمجھا جارہا ہے۔وسائل کا بے دریغ استعمال اپنے مفاد کے لئے کیا جارہا ہے، علماء حضرات ماضی کو سینے سے لگائے حال کے تقاضوں کو نظر انداز کرتے نظر آرہے ہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ:"میں تمھیں بے وقوف لوگوں کی سرداری سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں"۔۔حضرت کعبؓ نے پوچھا !"یا رسول اللہ وہ کیسے لوگ ہوں گے ؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا"وہ جھوٹ کی تصدیق نہیں کرینگے،وہ مظلوم کی مدد نہیں کرینگے،وہ حوض کوثر میں میرے ساتھ نہیں ہونگے،جو لوگ جھوٹ کا ساتھ دیں گے، مظلوم کی مدد نہیں کریں گے وہ ہم میں سے نہیں ہونگے"۔پھر ہم یہ کیوں سمجھ لیں کہ ہماری خیر ہوگی۔ پھر ہم کیونکر سوچ لیں کہ ہماری فلاح ہوگی۔جب ہم فریبوں کے جال میں پھنسے ہوں،جب جھوٹ کی امر بیل نے ہمیں مکمل طور سے جکڑ لیا ہو تو خیر کی اُمیدوں کے بجائے ہمیں اللہ سے پناہ مانگنے کی ضرورت ہوگی۔

تہمت

منزہ آصف

عفیفہ بہت شریف لڑکی تھی۔ باوقار، دیندار، عفت و حیا جیسی صفات کا پیکر تھی۔ اپنے نام کی طرح پاک دامن تھی۔ وہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتی تھی اور اس تعلیم نے اسے صحیح معنوں میں مسلم اخلاق و شعار عطا کئے تھے۔

یوں تو وہ مدرسہ کے ہوسٹل میں رہائش پذیر تھی۔۔ مگر کبھی کبھی اسکی خالہ اسے چھٹی کے دن اپنے پاس لے آتی تھی اس سے عفیفہ کی بھی دلجوئی ہو جاتی اور خالہ کی بھی۔۔۔

ادھر خالہ کے گھر میں انکی شادی شدہ نند رہتی تھی۔ وہ ذرا تیکھے مزاج تھی۔۔۔ بات بات پہ بگڑنا انکی دیرینہ عادت تھی۔

اس جمعرات کو اسکی خالہ اسے لینے مدرسہ آئی، عفیفہ نے سارے اسباق کی کتابیں، دھونے والے کپڑے ساتھ لیے۔ اور لاہور کی چاند گاڑیوں میں سوار ہو کر گھر پہنچ گئے۔

عفیفہ نے سب کو سلام کیا،

خالہ برقعہ اتارتے ہی کچن چلی گئی

عفیفہ،۔۔ تم کیا کھاؤ گی، آج تمہاری پسند کا کھانا بناؤں گی۔ خالہ نے عفیفہ سے کہا۔

عفیفہ۔۔۔ نہیں خالہ۔۔ آپ اپنی پسند سے جو مرضی بنالیں میں سب کھا لوں گی۔۔

دور بیٹھی خالہ کی نند باتیں سن رہی تھی۔ اور ناک منہ چڑھا رہی تھی۔ وہ

عفیفہ کو پسند نہیں کرتی تھی۔۔۔اس کی وجہ یہ تھی کہ انکا اکلوتا بیٹا جو دوسرے شہر میں ملازمت کرتا تھا وہ دل ہی دل میں عفیفہ کو پسند کرتا تھا اور اپنی ماں سے اپنی پسند کو ذکر بھی کر چکا تھا کہ میں دیندار لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔پر ماں نے سنی ان سنی کر دی اور ہر بار یہ کہہ کر ٹال دیتی کہ وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔۔۔اصل میں وہ دیندار طبقے کو پسند نہیں کرتی تھی۔۔۔

ادھر بھولی بھالی عفیفہ ان تمام باتوں سے قطع نظر،بالکل لاعلم تھی،اسے تو بس لکھنے پڑھنے کا شغف تھا۔۔اور اپنے حال میں مگن رہتی تھی۔

خالہ،خالہ۔۔۔پکارتے عفیفہ آئی

خالہ۔۔کیا ہوا عفیفہ؟؟؟

عفیفہ بولی۔۔۔خالہ میں امی کے فون کا صبح سے انتظار کر رہی ہوں۔ابھی تک نہیں آیا۔۔کیا آپ کی بات ہوئی؟؟

خالہ۔۔نہیں بیٹا۔۔اگر فون آتا تو میں ضرور بتاؤں گی۔۔

یہ سن کر عفیفہ دوبارہ کمرے میں چلی گئی۔

ادھر خالہ کی نند بھی فون کے سرھانے براجمان تھی۔اسے بھی اپنے بیٹے کے فون کا انتظار تھا۔۔(یہ ptcl فون کی بات ہو رہی ہے۔جب ایک جگہ سے دوسری جگہ بات کرنا کافی مہنگا تھا۔۔نہ کہ آجکل کے موبائل فون۔۔کہ اب کالز کرنا اتنا مہنگا نہیں)

کافی دیر تک جب ان کے بیٹے کا فون نہیں آیا تو وہ بھی گھر سے باہر چلی گئی۔

کچھ دیر بعد۔۔۔۔ فون کی گھنٹی بجی۔۔ٹرن ٹرن۔۔۔

عفیفہ کمرے سے بھاگی آئی،اور ریسیور اٹھا کر سلام کیا۔۔۔

السلام علیکم۔

دوسری طرف سے اسکی امی کی آواز تھی۔۔عفیفہ باتیں کرنا شروع ہو گئی حال چال پوچھا، آپ کب آئیں گی، میں اداس ہو گئی ہوں، اگلے ہفتے ملنے آ جائیں۔۔۔وہ بہت خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔۔۔بات ختم کر کے وہ کمرے میں چلی گئی۔

اسے علم نہیں تھا کہ خالہ کی نند خاموش تماشائی بن کر پیچھے کھڑی ہے۔اس نے آخری باتیں سنیں، جس میں عفیفہ اگلے ہفتے ملنے کا اصرار کر رہی تھی، نند کو لگا، وہ اس کے بیٹے سے بات کر رہی تھی، وہ تو پہلے موقعہ کی تلاش میں تھی، کہ کب بات کا بتنگڑ بنا کے پیش کرے، اس نے سارے گھر میں ہنگامہ برپا کر دیا، اور الزامات کی بارش کر دی، کہ عفیفہ میرے بیٹے سے بات کر رہی تھی، اس سے ملاقات کرنا چاہتی ہے، وہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی، وہ تو اچھا ہوا، میں نے اپنے کانوں سے سن لیا، یہ کیسی دیندار ہے، غیر محرم سے باتیں کرتی ہے -

ادھر خالہ مسلسل کہہ رہی تھی کہ اسکے گھر سے فون تھا، مگر انکی نند تو کوئی بات سننے کو آمادہ نہیں تھی، یہی کہہ رہی تھی میں نہیں مانوں گی، جب تک قرآن کی قسم نہ اٹھائے، عفیفہ کمرے میں آوازیں سن رہی تھی، مگر دروازہ بند ہونے کی وجہ سے صاف آواز نہیں تھی، خالہ کے بار بار سمجھانے پر نہیں سمجھی، اور عفیفہ کے پاس گئی، دھڑام سے دروازہ کھولا اور سیدھا عفیفہ کے پاس بیٹھ گئی، ان کے ہاتھ میں قرآن تھا-

عفیفہ انکو غصہ میں دیکھ کر پریشان ہو گئی، انہوں نے پوچھا، تم ابھی میرے بیٹے سے بات کر رہی تھی؟؟؟

عفیفہ گھبرا کر بولی، نہیں تو۔۔۔میں امی سے بات کر رہی تھی، اگر آپ کو یقین نہیں تو آپ ان سے بات کر لیں۔۔۔

انہوں نے کہا، مجھے کسی سے نہیں پوچھنا، تم بس قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ، کہ تمہاری میرے بیٹے سے بات نہیں ہوئی۔۔

ان کی باتیں سن کر عفیفہ کے اوسان خطا ہو گئے، یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟؟۔

نند بولی، اگر تم سچ بول رہی ہو تو قسم کھالو۔۔۔

عفیفہ نے کہا، اگر آپ کی ایسے تسلی ہوتی ہے تو میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتی ہوں کہ میری آپ کے بیٹے سے نہ اب۔۔۔ اور نہ ہی پہلے کبھی بات ہوئی ہے۔۔

اس کی قسم سن کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی، ادھر عفیفہ دل ہی دل میں اللہ سے باتیں کرنے لگی، کہ اللہ !یہ کیا ہو گیا، میں تو کسی غیر محرم کو دیکھنا پسند نہیں کرتی، اور مجھ پر اتنا بڑا بہتان، لگا کر وہ چلی گئی، دل میں گلے شکوے کر رہی تھی، اور زبان سے یہ آیت پڑھ رہی تھی-

إنما أشكو بثي و حزني الى الله،

اور سر بسجود ہو گئی،

ایک پاک دامن عورت کے لئے اس سے بڑھ کر ذلت و رسوائی کی بات اور نہیں ہو سکتی، وہ رات خالہ کے گھر میں رو دھو کر گزاری، صبح ہوتے ہی جامعہ کی راہ لی، اور آیندہ خالہ کی طرف نہ آنے کا عزم کر لیا۔

وقت گزرتا گیا، ادھر عفیفہ جامعہ سے پڑھ کر رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئی، لیکن اللہ نے ادھر خالہ کی نند سے بھی انصاف کیا، اسکا اکلوتا بیٹا اسے چھوڑ کر بیرون ملک چلا گیا، وہی شادی کر لی، اور وہ نیم پاگل ہو کر اپنے گھر میں اکیلی رہتی ہے، نہ تو کوئی اسکی بات کو کوئی سنتا ہے، اور نہ ہی اس سے ملنا پسند کرتا ہے، اب ایسے ہی باقی کی زندگی گزرے گی۔

خواتین پر تشدد

شمس تبریز قاسمی

کائنات کی زیب وزینت کا سہرا عورت کے سر جاتا ہے۔وہ معاشرے کی حقیقی معمار ہوتی ہے۔معاشرے میں نکھار پیدا کرنے اور اسے خوبصورت بنانے کا فن صرف عورت ہی جانتی ہے اوران ہی کے اچھے کردار کی وجہ سے ایک تہذیب یافتہ معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

جیسے کہ اگر ایک مرد کو تعلیم یافتہ کر دیا جائے تو ممکن کہ اس کا فائدہ صرف اس کی ذات تک ہی محدود رہے لیکن ایک عورت کو تعلیم دینے سے مراد ایک پوری نسل کو تعلیم دینا ہے۔

یوں اب عورت جس روپ یا رشتے میں ہو وہ اپنے کچھ حقوق رکھتی ہے۔کیونکہ عورت صرف جنس نہیں انسان ہے وہ بھی احساس و جذبات رکھتی ہے۔اپنی خواہشات رکھتی ہے۔

لیکن افسوس کہ ہم جس معاشرے میں رہ رہے ہیں یہاں ہر مرد ہی عورت پر غالب آنا چاہتا ہے۔فرسودہ روایات کے مارے ہوئے اور پسماندہ ذہنیت رکھنے والے لوگ آج بھی عورت کو حقیر ہی جانتے ہیں۔ان کے حقوق کو پامال کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔لیکن خود یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی وہ عورت سے ہمیشہ اچھی توقع ہی رکھتا ہے اور مرد کی خوش قسمتی یہ ہے کہ اسے اس کی سوچ سے بھی زیادہ اچھا ملتا ہے۔

اسے کانٹوں کے بدلے ہمیشہ پھول ہی ملتے ہیں۔کیونکہ عورت ذات میں صبر اور برداشت کی صلاحیت مرد کی نسبت کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔وہ خود میں اَنا اور انتقام کی آگ کو لگنے سے پہلے ہی بجھا دیتی ہے۔

ایک تحقیق کے مطابق آج دنیا میں ہر تین میں سے ایک عورت کسی نہ کسی تشدد کا شکار ہے۔اور یہ شرح ایک لمحہء فکریہ ہے۔خواتین پر تشدد کی روک تھام کا عالمی دن ہر سال 25 نومبر کو منایا جاتا ہے۔اس دن کا اہم مقصد عوام میں عورتوں پر تشدد کے خاتمے کے بارے میں اور اس تشدد کی وجہ سے خاندان اور معاشرے پر منفی اثرات بارے میں شعور پیدا کرنا ہے۔

اور پچیس نومبر سے دس دسمبر (انسانی حقوق) کے عالمی دن تک عورتوں اور لڑکیوں پر تشدد کے خاتمے کے لئے ایک سولہ روزہ مہم چلائی جاتی ہے۔کیونکہ آج بھی عورتوں کو جنسی، جسمانی یا نفسیاتی تشدد کے زریعے دبانے کی کوشیش کی جاتی ہے۔اور یہ المیہ نہ صرف ہمارے ملک تک محدود ہے حتیٰ کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ ممالک کی بہت سی خواتین کے ساتھ بھی تقریباً یہی سلوک کیا جاتا ہے۔

عورت پر تشدد نہ صرف ایک ظلم ہے ایک جرم ہے بلکہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی بھی ہے۔عالمی سطح پر ایک مشاہدہ کے مطابق تمام دنیا کی 35٪ خواتین یا لڑکیاں اپنی تمام زندگی میں کسی جسمانی یا جنسی تشدد کا نشانہ بنتی ہیں۔

تمام دنیا کی خواتین میں سے 250 ملین ایسی ہیں جن کی 15 سال سے بھی کم عمر میں شادی کر دی جاتی ہے۔کم عمر میں شادی ہونے والی خواتین کی ایک تو تعلیم نامکمل رہ جاتی ہے۔

اور دوسرا وہ ذہنی طور پر زیادہ پختہ نہیں ہوتیں جن کی وجہ سے انہیں عملی زندگی میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس وجہ سے بھی وہ تشدد کا نشانہ بنتی ہیں۔ایک مرد کے عورت پر تشدد کی چند بنیادی وجوہات یہ دیکھنے میں آئی ہیں جن میں مرد کے انفرادی نفسیاتی مسائل، زندگی کا ناقابلِ برداشت دباؤ، منشیات یا الکوحل کا استعمال، شکی مزاج ہونا، عورت کا مناسب کھانا وغیرہ نہ پکانا، اور کم جہیز لانے جیسے

عوامل ایک عورت پر تشدد کی وجہ بنتے ہیں۔

خواتین پر تشدد یا انہیں جنسی طور پر ہراساں کیا جانا ان کی صلاحیتوں کو متاثر کرتا ہے ان کی خود اعتمادی کو ٹھیس پہنچاتا ہے اور ان سے بڑھ کر یہ کہ عورتوں میں فیصلہ سازی کے حوصلے کو کم کرتا ہے۔ وہ قانون کے ہوتے ہوئے بھی خود کو غیر محفوظ تصور کرنے لگتی ہیں اور اپنے مستقبل بارے میں ایک غیر یقینی صورتِ حال میں جکڑ جاتی ہیں۔

ایک طرف تو مرد عورت کو اپنی زندگی کی ہیروئین بھی کہتا ہے لیکن اس کے ساتھ ایک ولن جیسا سلوک کیوں کرتا ہے۔

وجود زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اس کے ساز سے ہے زندگی کا سوزودروں

اب اسلامی رو سے دیکھیں تو عورت کی ذات کو جس قدر عزت مذہب اسلام نے دی ہے دوسرے کسی بھی مذہب نے نہیں۔ اسلام نے ہی ایک عورت کے حقوق ایک مرد کے مساوی کئے اور عورت کو یہ مقام عطا کیا کہ اگر وہ بیٹی ہے تو رحمت، اگر بیوی ہے تو شوہر کے نصف ایمان کی وارث اور اگر ماں ہے تو اس کے قدموں تلے جنت۔

لیکن ان تمام رتبوں کے باوجود کہیں اس پر تیزاب پھینکا جارہا ہے تو کہیں اس کی عزت کو اچھالا جارہا ہے کہیں وہ غیرت کے نام پر قتل ہو رہی ہے تو کہیں اسے سرِعام تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔

ایسا اس لئے بھی ہے کہ وہ عورت کو کمزور جانتا ہے لیکن شائد مرد کو ایک عورت کی طاقت کا اندازہ نہیں کیونکہ عورت اگر باغی ہو جائے تو پھر اس سے بڑا باغی کوئی نہیں اگر وہ فتنہ پر اتر آئے تو اس فتنے سے پھیلنے والی تباہی کی کوئی حد نہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کہ عورتوں کے مردوں پر ایسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر اچھے سلوک کے ساتھ۔(سورہ البقرہ۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہے کہاور اچھے سلوک سے عورتوں کے ساتھ زندگی بسر کرو۔(سورہ النساء)

مسلم معاشرہ میں عورتوں کے حقوق کے اعتبار سے اسلامی تعلیمات انحراف نظر آرہاہے۔ عورتوں کے ساتھ ظلم وزیادتی اور اس کے حقوق کی خلاف ورزی زیادہ تر مسلم معاشرہ کا وہ طبقہ کرتا ہے جو علم سے نابلد ہوتا ہے۔ وہ یہی سمجھتاہے بیوی کی حیثیت ایک نوکرانی جیسی ہے۔ اس سے جیسے چاہو کام لو۔

امریکن اور یورپین معاشرہ میں جہاں آزادی نسواں کی تحریک چلائی جاتی ہے۔ اسلام پر دقیانوسیت کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ خواتین کی حقوق تلفی کے حوالے سے مذہب اسلام کو بدنام کیا جاتا ہے۔

وہاں سب سے زیادہ عورتوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔ آج کی ایک تازہ ترین نیوز جو ہمارے سامنے ہیں اسے پڑھ کر اندازہ لگایا جاتا ہے مغربی معاشرہ عورتوں کس قدر محفوظ ہیں۔

امریکہ کی ایک جیل میں قیدی نے محافظ دستہ میں شامل چار عورتوں کا حاملہ کر دیا ہے۔ امریکی معاشرہ کے حوالے سے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے وہاں یہ روزمرہ کا معمول ہے۔ آزادی نسواں کے نام پر وہاں کی خواتین دنیا کے آغاز کے وقت جو معاشرہ تھا اسی کو اپنا رہی ہے۔ جب انسان کا وجود ہوا تھا تو اس وقت انسان ننگا تھا، پھر درخت کے پتوں سے جسم کے تحفظ کا سلسلہ شروع ہوا۔ مغربی تہذیب آج معاشرہ کی اسی قدیم روایت پر عمل کر رہی ہے۔ جو سب سے بڑی دقیانوسی ہے اور عورتوں پر ظلم بھی اسی معاشرہ میں سب سے زیادہ ہو رہا ہے۔

حشر کا تصور

عائشہ ملک

میں راستے میں ہی تھی جب مغرب کی اذان ہوئی۔ آج جاب سے آتے وقت کافی دیر ہو چکی تھی میں جیسے ہی گھر پہنچی مغرب کا وقت تقریبا ختم ہی ہو چکا تھا میں نے جلدی جلدی وضو کیا اور ویسے ہی گیلے ہاتھ پاؤں لے کر جانماز پر نیت باندھ کر کھڑی ہو گئی میرے چہرے سے بار بار پانی ٹپک رہا تھا میں بار بار آستین سے صاف کرتی اور نماز جاری رکھتی نماز کے دوران ہی مجھے یاد آیا کہ میں امی کی دوائیاں لانا بھول گئی تھی آج آفس میں بہت کام تھا کھانا کھانے کا بھی وقت نہیں ملا۔ میں بہت تھک چکی تھی سجدے میں جاتے ہی میں نے نماز میں دھیان لگانے کی بہت کوشش کی لیکن مجھے لگا میں ایک ایسے میدان میں تھی جہاں پر بہت سارے لوگ جمع تھے سب کے ہاتھ میں ایک ایک کتاب تھی۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے تبھی کسی نے ایک کتاب میرے ہاتھ میں بھی تھمادی جس پر میرا نام لکھا تھا میں نے کتاب کھولی جس میں میرے اچھے برے اعمال لکھے ہوئے تھے میرا دل بیٹھ گیا میں نے سوچا یا اللہ کیا میں مر گئی ہوں ؟ میں نے سب طرف نظریں گھمائیں سب ایک لائن میں کھڑے اپنی اپنی کتاب جمع کرا رہے تھے میں سمجھ گئی تھی کہ میں اب مر چکی ہوں میرا بھی حساب کتاب ہونا ہے میں نے بھی اپنی کتاب جمع کرائی اور انتظار کرنے لگی جب سب لوگوں کی کتابیں جمع ہو گئیں تب فیصلے کا وقت آیا مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا سب سے پہلے میرا نام لیا گیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا میں نے سوچا نہ جانے آج میرا کیا ہو گا؟ آج میرا انجام کیا ہو گا؟ تبھی آواز آئی جہنم مجھے یقین نہیں آیا کہ میرا انجام یہ ہو گا میں زور زور سے رونے لگی میرے گالوں سے آنسو بہنے لگے تبھی دو خطرناک سائے آئے

اور مجھے گھسیٹنے لگے میں چیختی رہی مجھے بچاؤ کوئی مجھے بچاؤ سب سہمی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتے رہے کوئی بچانے کے لیے آگے نہیں آیا میں نے چلّا کر کہا میں نے کبھی کچھ غلط نہیں کیا، کبھی جھوٹ نہیں بولا کسی کی چغلی نہیں کی، سود نہیں کھایا، پھر مجھے کیوں جہنم میں پھینک رہے ہو؟ کوئی کچھ نہیں بولا صرف مجھے کھینچتے رہے اب میں جہنم کی آگ محسوس کر سکتی تھی اس کا منہ تھوڑی دور رہ گیا اور اس میں سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی جانور رسّی توڑ کر مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ تبھی مجھے اپنی نماز یاد آئی میں زور زور سے چلانے لگی میری نماز میری نماز کہاں ہے؟ جہنم کا منہ سامنے تھا دنیا میں میں ذرا سی گرمی برداشت نہیں کرتی تھی یا اللہ اس گرمی کو کیسے برداشت کروں گی؟ اب میں جہنم کے دروازے پر تھی اور زور زور سے رو رہی تھی اپنی نماز کو آواز دے رہی تھی لیکن کوئی سننے والا نہیں تھا میں چلاّئی لیکن کوئی فرق نہیں پڑا ایک سائے نے مجھے جہنم میں دھکّا دے دیا اور میں جہنم کی تپتی آگ میں گرنے لگی مجھے لگا یہ ہی میرا حشر ہے اتنے میں ایک ہاتھ نے مجھے پکڑ لیا میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو دہانے پر ایک بزرگ کھڑے تھے سفید ڈاڑھی اور نورانی چہرہ لئے مسکرا رہے تھے نیچے دوزخ کی آگ مجھے جھلسانے کے لیے مچل رہی تھی لیکن اس بزرگ کا ہاتھ لگتے ہی اس کی تپش ٹھنڈک میں بدل گئی، میں نے ان سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے مجھے باہر کھینچ کر کہا تمہاری نماز مجھے غصہ آگیا میں نے کہا آپ اتنی دیر سے کیوں آئے ہیں؟ آپ اگر تھوڑی اور دیر سے آتے تو میں جہنمی بن چکی ہوتی بزرگ نے مسکرا کر کہا تم بھی تو مجھے آخری وقت میں پڑھا کرتی تھی تبھی میری نیند کھل گئی کوئی مجھے زور زور سے ہلا رہا تھا میں نے دیکھا امی میرے پاس کھڑی ہوئی ہیں اور بول رہی ہیں کیا ہوا نماز نماز کیوں چلاّ رہی ہو؟؟؟ میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا میں زندہ تھی میں نے امی کو گلے سے لگایا اور کہا آج کے بعد میں کبھی نماز میں دیر نہیں کروں گی۔

ماہنامہ بنات اہلسنت ملنے کے پتے

ایجنسی ہولڈرز	علاقہ	فون نمبرز
دارالایمان	کراچی	03342028787
قاری عبدالوکیل عزیزی	سیالکوٹ	03338639255
مولانا محمد دلاور	اوکاڑہ	03136969193
مولانا عبداللہ قمر	قصور	03008091899
مولانا عبداللہ شہزاد	حافظ آباد	03212374824
محمد رئیس	ٹانک	03319143483
مولانا خالد زبیر	لاہور	03153759031
مولانا خالد زبیر	چکوال	03335912502
مولانا غلام مرتضیٰ	فورٹ عباس	03052475330
مولانا محمد صدیق	ڈیرہ غازی خان	03356351893
مولانا محمد قاسم	ملتان	03007408019
قاضی اسرائیل گڑنگی	مانسہرہ	03023501755
مولانا طارق حسین	پشاور	03219192406
مولانا امان اللہ حنفی	سرگودھا	03067800751
مولانا محمد اختر	کبیر والا	03336228425
ذوالقرنین	ڈیرہ اسماعیل خان	03343682508

نوٹ: ایجنسی بک کروانے کے لیے رابطہ کریں: 03326311808